خیر الوارثین



میاں عطاء اللہ ساگر وارثی

خیر الوارثین

مصنفہ و مرتبہ:

میاں عطاء اللہ ساگرؔ وارثی عفی عنہٗ

ملنے کا پتہ: وارثی منزل۔ پاک سٹریٹ۔ اسلام آباد کالونی۔ سمن آباد۔ لاہور

طابع و ناشر : ـــــــــ میاں عطاء اللہ ساگر وارثی
بار اوّل : ـــــــــ اکتوبر ۱۹۷۵ء
کتابت : ـــــــــ علی احمد صابر چشتی
مطبع : ـــــــــ ندرت پرنٹرز ۔ لاہور
تعداد : ـــــــــ ۲۵۰
قیمت : ـــــــــ ۱۵/-

ملنے کے پتے :

وارثی منزل ۔ پاک سٹریٹ اسلام آباد کالونی ۔ سمن آباد ۔ لاہور
ایس ۔ ایاز وارث وارثی ۱۷۸ ۔ ای کاشانۂ وارثی ۔ پیر کالونی ۔ والٹن ۔ لاہور
مرزا محمد اشرف بیگ وارثی ۔ چیف الیکٹرک کمپنی ۱۶۰ ۔ بیڈن روڈ ۔ لاہور

حق

الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم الوارثین

بارگاہِ قدس چشتیہ صابریہ کے مقرب خصوصی اور

گلشنِ صابری خواجہ خواجگان خواجہ محمد دیوان چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ

کے روشن چراغ

قبلہ میاں رحمت علی چشتی صابریؒ ☆

جن کو سرکار وارث پاک علیہ الرحمۃ کیساتھ والہانہ محبت و عقیدت تھی

کی خدمتِ بابرکت میں

نذر

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

سگِ وارث پاک علیہ الرحمۃ
میاں عطاء اللہ ساگر وارثی عفی عنہ

☆ جن کا وصال شریف ۲۳۔ ذیقعد ۱۳۹۴ھ بروز اتوار بوقت عصر بر مکان میاں محمد طفیل صاحب ٹیلر ماسٹر بمقام اروپ شریف ضلع گوجرانوالہ میں ہوا۔ قبلہ میاں آصف صابری مدظلہ العالی نے مندرجہ ذیل قطعہ وصال تحریر فرمایا ہے:

جو بھی ہے اِس جہاں میں فانی ہے ساری دُنیا یہ آنی جانی ہے
میاں رحمت علیؒ کہو آصف "شد بہشت بریں مکانی" ہے
—— ۱۳۹۴ھ ——

حق

نذرانۂ عرس

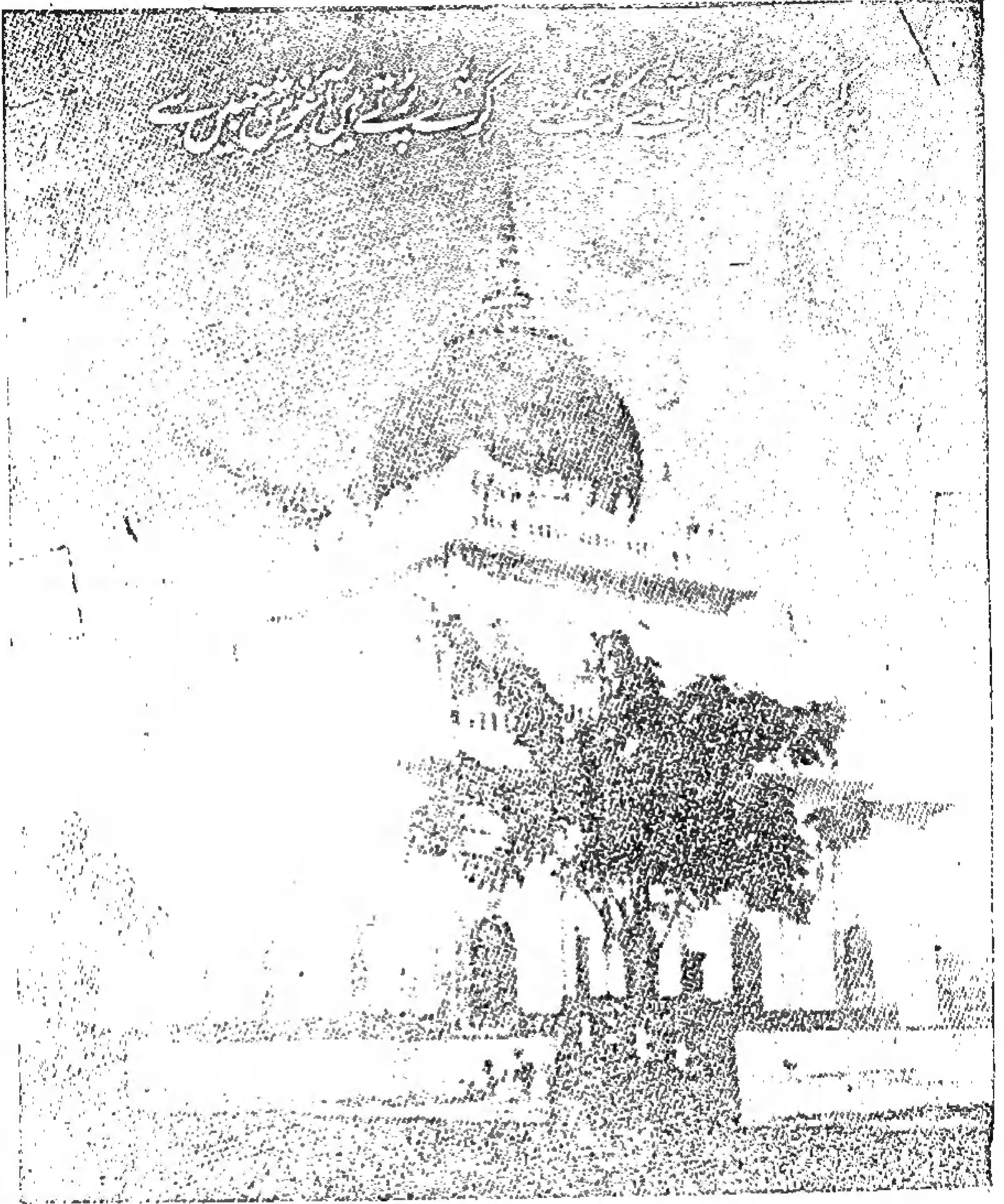
بوئے گلزارِ نبیؐ، وارث علیؒ، وارث علیؒ
سروِ باغِ حیدریؓ، وارث علیؒ، وارث علیؒ
لاڈلے حسنینؓ کے، محبوبِ ختم المرسلینؐ
راحتِ جانِ علیؓ، وارث علیؒ، وارث علیؒ
نورِ ربّ العلمیں، عکسِ جمالِ پنجتن
پرتوِ خادم علیؒ، وارث علیؒ، وارث علیؒ
فیضیابِ شہ نصیرالدینؒ چراغِ دہلوی
جانِ محبوبِ الٰہی، وارث علیؒ، وارث علیؒ
آصفِ خستہ دلم آمد بدرگاہت پناہ
کن کرم بہرِ نبیؐ، وارث علیؒ، وارث علیؒ

—— آصف صابری جالندھری

(یہ چند اشعار ۲۹ محرم ۱۳۶۱ھ کو برموقعہ عرس حضرت وارث پاکؒ زیر اہتمام حضرت ابر شاہ صاحب وارثی جالندھر شہر پیش کیے گئے)

ترتیب

حق



مزار پُر انوار حضرت سرکار وارث پاکؒ دیویٰ شریف (ضلع بارہ بنکی۔ بھارت)

بائیں طرف سے: ۱۔ میاں عطاء اللہ ساگر وارثی ۲۔ صاحبزادہ امان وارث وارثی ۳۔ مرزا محمد اشرف بیگ وارثی ۴۔ میاں احمد بخش بمر حصاری

حق

تقریظ و تعارف

"ذکرِ وارثؒ بیدمؒ عالی مقام"

۱۹ ع ۷۵

زیرِ نظر کتاب "خیرالوارثین" مشتمل بر حالات سیّدنا وارث علی شاہ سربراہ سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ وارثیہ و حضور قبلہ بیدم شاہ وارثی اور میاں حیرت شاہ وارثی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین، میرے برادرِ طریقت میاں رحمت علی چشتی صابری ہردوتھلوی (مرحوم) کے فرزندِ ارجمند میاں عطاءاللہ ساگر وارثی کی کدوکاوش کا نتیجہ ہے۔ میرے خیال میں "خیرالوارثین" کی نوع کی کتاب پاکستان میں پہلی بار رسی زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئی ہے کیونکہ قبل ازیں کم از کم میری اپنی نظر سے کوئی ایسی جامع کتاب حضرات خواجگان سلسلہ عالیہ وارثیہ" کے حالات پر نہیں گزری، شاید اس طرف وابستگانِ دامنِ وارثؒ کی عدم توجہی کا دخل ہو یا اور کوئی سبب اِس باب میں رکاوٹ بنا ہو؛ تاہم اِن حالات وکوائف کے باوجود اور موجودہ گرانی کے دور میں جب کہ کاغذ، کتابت اور طباعت میں ہر گام پر مشکلات کے کوہ ہائے گراں حائل ہوں، کسی نئی کتاب کا طباعت کے زیور سے آراستہ ہو کر عوام الناس کے ہاتھوں میں پہنچنا ایک معجزہ سے کم نہیں۔ چونکہ میاں ساگر وارثی کی یہ کوشش اوّلین کوشش ہے اِس لیے اس میں ادبی یا علمی یا زبان کی غلطیوں یا کوتاہیوں کا سرزد ہو جانا بعید از قیاس نہیں اِس لیے قارئین کرام فراخدلی سے کام لیتے ہوئے درگذر فرمائیں اور اپنے قیمتی خیالات اور مشورہ سے میاں ساگر وارثی کو مطلع فرمائیں اور ان کی حوصلہ افزائی کریں کہ وہ آئندہ اِس سے بھی بہتر سعی کریں تاکہ وابستگانِ سلسلہ کو اپنے سلسلہ کے بزرگانؒ کے حالات و واقعات

حق

سے آگاہی ہو اور ان کا ذوق و شوق ترقی پذیر ہو۔ اس تقریظ و تعارف کے لیے

"ذکرِ وارثؒ، بپیدرمؒ عالی مقام"

کا عنوان جو تاریخی بھی ہے اور حسبِ حال بھی تجویز کر کے پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں ؎ برگِ سبز است تحفۂ درویش

گر قبول افتد زہے عز و شرف

فقط والسلام

آصف صابری جالندھری

تاندلیانوالہ

مورخہ: ۱۳۔ شوال المکرم ۱۳۹۵ھ

دیباچہ

میرا اس کتاب کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ سلسلۂ وارثیہ کے طریقوں اور اصولوں کی تشہیر کی جائے جو ہمارے آقا و مولا سرکار عالم پناہ وارث پاک علیہ الرحمۃ نے اپنے فقیروں، درویشوں کے لیے موقع بہ موقع ارشاد فرمائے ہیں۔ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ مسلمانوں کی ترقی کا باعث صرف ظاہری اسباب و ذرائع نہ تھے بلکہ ان کی ترقی کا مدار دراصل ان کی قوتِ روحانی پر منحصر تھا۔ وہ روحانی تقویت کے اعتبار سے جس قدر مضبوط اور پُر اعتماد تھے۔ اتنے ہی اغیار کی نظروں میں معراج یافتہ اور قابلِ ستائش تھے۔ روحانی ارتقائی منزلوں کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ چہار دانگ عالم میں مسلمانوں کے حسن عمل کا ڈنکا بج رہا تھا۔ اور اسلام کا ایک ادنیٰ خادم اس روحانی تقویت کے باعث سوائے خدائے وحدہٗ لاشریک کی جلالت و عظمت کے کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ کے جاہ و حشم کو خاطر میں بھی نہ لاتا تھا۔ دُنیا ان کی نظروں میں ہیچ تھی۔ مگر بیشتر مواقع پر اولیاء کرام کی روحانی قوتوں نے توپ و تفنگ سے زیادہ کام کیا اور لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اختلاف اور موشگافیوں کا شکار ہو کر اس نعمتِ عظمیٰ و برکت سے محروم ہو گئے۔ جس کا نتیجہ آج آپ کے سامنے ہے اور "خود کردہ علاجے نیست" کے مصداق سوائے کفِ افسوس ملنے کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ شہدائے کرام اور واصلینِ حق اولیائے کرام اگرچہ ہماری ناقص اور ظاہری نظروں سے دُور ہیں مگر بقول "ان اولیاء اللہ لا یموتون بل ینقلون من دار الی دار" خدا کی مخلوق پر آج بھی اُنکا تصرف جاری ہے اور تشنگانِ راہِ طریقت و معرفت ان کے فیض و کرم سے آج بھی مستفیض ہو رہے ہیں۔ کتاب ہٰذا میں سرکار عالم پناہؒ و میاں بیدم شاہ وارثی اور میاں حیرت شاہ وارثی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے

حالاتِ حیات مبارک درج کیے گئے ہیں نیز میاں بیدم شاہؒ وارثی اور میاں حیرت شاہؒ وارثی کا نمونۂ کلام بطور تبرکات درج کیا گیا ہے تاکہ اہل سلاسل روحانی مسرتیں حاصل کریں۔

کتابِ ہٰذا کی ترتیب میں مندرجہ ذیل کتابوں اور رسائل سے مدد لی گئی ہے:

"حیاتِ وارث" از مولانا افقر موہانی الوارثی۔ "حیاتِ وارثی" از شیدا میاں وارثی۔ "مشکوٰۃِ حقانیہ۔ عین الیقین"۔ "الوارث" رسالہ (کراچی) "بارگاہ دجلوہ گاہ" (لکھنؤ) "عکسِ حیرت"۔ "نقشِ حیرت"۔

مَیں قبلہ میاں ایاز وارث وارثی مدظلہ العالی کا بھی تہ دل سے مشکور ہُوں کہ اُنہوں نے کتابِ ہٰذا کی ترتیب میں محبت بھرا دستِ تعاون بڑھایا اور دامے۔ درمے۔ قدمے۔ سخنے حصّہ لیا سرکار وارث پاکؒ آپ کا سایہ ہم غریبوں پر قائم و دائم رکھے۔

"حب الفقراء حب الرحمٰن" فقیروں کی محبّت اللہ کی محبت ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ میں محبانِ اولیاء سے یہ درخواست بھی کروں گا۔ اس کتاب کی ترتیب میں جہاں غلطی پائیں اس کو براہِ کرم دامانِ عفو سے چھپائیں اور میرے لیے دُعا فرمائیں۔ اور مَیں دعا کرتا ہُوں جو درویش اس کتاب کا مطالعہ کرے اللہ تعالیٰ اس کے کبیرہ وصغیرہ گناہ بحرمتِ سرکارِ پاکؒ دوجہاں معاف فرمائے۔

خادم الفقراء

ساگر وارثی

قطعاتِ تاریخِ طباعت "خیرالوارثین"

تذکرۂ احکام
۱۳۹۵ھ

رنگِ شریعت و طریقت
۱۹۷۵ھ

کیجے کیا تالیفِ سیاگر ہیں بیاں
نقطہ نقطہ ہے حقیقت کا امیں

اہلِ دل اہلِ نظر کے واسطے
رہبرِ راہِ ہدایت بالیقیں

کہیے عنبر آپ تاریخِ طبع
فرحتِ وارث ہے خیرالوارثیں
۱۳۹۵ھ

عنبر شاہ وارثی اجمیری

مژدۂ خیر، اَلْوَارِثِیں جو مِلا
قلب مسرور کیفیتوں سے ہُوا

فکرِ تاریخِ طبع جو آصف ہوئی
آئی آواز لکھ "ارمغانِ بقا"
۱۳۹۵ ہجری القدس

ٹانڈیانوالہ ۱۰ جولائی ۱۹۷۵ء ———— آصف صابری جالندھری


هوالوارث
آن منم کز آتش دل زار و ناتوانم
نظری بکن ببینم که ز دود شوق جانم
همه شب بر آستانت به فغان و ناله باشم
به امید آنکه خوانی ز سگان آستانم
خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح
کتبہ علی احمد صابر چشتی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلۂ وارثیہ

قرنہا باید کہ تا یک مرد صاحبِ دل شود
بایزیدؒ اندر خراساں یا اویسؒ اندر قرن

مطلب یہ کہ اہل اللہ کا ظہور جلد جلد نہیں ہُوا کرتا اور ان کے انتظار میں زمانے گزر جاتے ہیں جب کہیں کوئی اہلِ دل عالم وجود میں آتا ہے۔ انہیں کی شان میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی حدیثِ قدسی شاہد ہے کہ "العلماء امتی کالانبیاء بنی اسرائیل" میری اُمت کے علمار مثل بنی اسرائیل کے انبیار کے ہوں گے) اور جیسا کہ سابقہ ادوار میں اولیائے عظام، صفاتِ ظاہرہ کے لحاظ سے باری تعالیٰ کے جس نامِ مقدس میں فنائیت سے وہی نامِ پاک ان حضراتِ پاک کے مشہور قائم و دائم ہو گئے جیسا کہ شہیدِ حقیقت۔ والیٔ مقامِ صبر و رضا سرکار سید الشہدار حضور امام حسین علیہ السلام، جن کی شانِ اقدس میں حضور سلطان الاولیاء، سرکار محبوب سبحانی قطب ربانی حضرت میراں محی الدین سیدنا عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کا ارشادِ گرامی زبان زد علمار و خواص ہے ؎

حُسینؑ سیدی سندی امامی شفیع الخلق فی یوم القیامی
رسولٌ جدہٗ خیرُ الانامی علیہ یا صبا بلّغ سلامی

حضور غوث الثقلینؒ اسم پاک باری تعالیٰ مُحیی میں فنا ہوئے اور دین کو زندہ فرمایا، اسی طرح " وارث " اسم پاک باری تعالیٰ جس کے معنی ہیں "سب کے بعد زندہ اور قائم رہنے والا" بمصداق اِنَّا نَحْیِیْ وَ نُمِیْتُ وَ نَحْنُ الْوَارِثُوْنَ (تحقیق ہم زندہ رکھتے ہیں۔ ہمیں مارتے ہیں اور ہمیں سب کے وارث ہیں)

حضورِ انور کا اسمِ پاک محض لفظ " وارث " یا وارث پاکؒ سے مشہورِ عالم ہُوا اور فنا و بقا کے درجات، حالات و مسائل کو اظہر من الشمس فرمایا۔ کیونکہ یہ اسمِ پاک ہی قدرتی تھا جس کی پیشین گوئیوں کا سلسلہ خاندانی نسبتوں سے بھی ظاہر تھا اور روحانی طور پر بزرگان سلسلہ ماسبق سے بھی جاری تھا۔ سیّد ناظم علی صاحب رسول پوری ضمیمہ 'سیر السادات' (قلمی) میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضور وارث پاکؒ کے جدِّ امجد حضرت میراں سیّد احمد علیہ الرحمۃ جو ۱۱۴۱ھ میں پیدا ہوئے، حضرتِ اقدس دیوا شریف میں دولت کدہ کے قریب برلبِ تالاب اپنے احباب سے سرگرمِ سخن تھے کہ ایک صاحبِ باطن درویش نے قریب آکر آپؒ سے کہا:

السَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَلَدِكَ الَّذِي فِي صُلْبِكَ إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ تَعَالٰى قَدْ نَوَّرَ سِيمَاكُمْ بِنُورِهٖ وَأَشْرَقَ الْأَرْضَ بِظُهُوْرِهٖ فَطُوْبٰى لَكُمْ يَا سَيِّدِي

میراں سیّد احمد فرمود آرے۔ مے بینم شمیم مشک بارش درچمنستانِ عالم منتشر و ضیائے حُسن و جمالش چوں مہر تاباں دنشر۔

اور حاضرینِ صحبت نے جب حال پوچھا کہ ہم کچھ نہیں سمجھے کہ اس بزرگ درویش نے کیسے فرزندِ ارجمند کی بشارت دی اور آپ نے اس کی تصدیق فرمائی۔

اس پر حضور میراں سیّد احمد صاحب علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا کہ:

حق تعالیٰ مرا فرزند کرامت فرمود کہ در صلب پنجم از صلبِ من ظاہر خواہد شد۔ الحق اُو " نور دیدہ میراں سیّد احمدؒ " ہست و جگر بند میراں سیّد احمدؒ است کہ عدد اسمِ پاکش ہمیں ہر دو کلمہ بیروں آید و اسمِ اُو یکے از اسمِ ذاتش و صفاتِ او بیرون از حدود جہات است۔ مقامِ علوئش پایاں ندارد نظامِ سلوکش کہ شمارد شمعیست در شبستانِ مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سرویست از گلستانِ مرتضوی (کرم اللہ وجہہٗ) منزلِ فقر کاشانہ او و سرِ الست خمخانہ او نیستانِ عشق را شیرِ ببر تاجدارِ اقلیمِ رضا و صبر در عہدِ خود از شرق تا غرب متصرف خواہد شد۔ گبر و ترسا یہود و نصاریٰ مُسلم و مشرک بلکہ ہر مذہب و ملت را رہبر کامل شدہ ہر یکے را بمرامش خواہد رسانید در اقطارِ عالم بہر گوشہ کہ مے بینم نشانش مے یابم۔

رہبرانِ منزل تفرید سالکان وادیٔ تجرید عزلت نشینان بساطِ طریقت و غواصانِ

حق

قلزمِ حقیقت بادہ نوشانِ مے خانۂ محبت سرمستانِ خمخانۂ مودت۔ عقدہ کشایانِ اسرارِ معرفت مسند نشینانِ کاخ حکمت۔ شاہ سوارانِ میدان ابتلاء۔ سرحلقگان مکتب ولا نظربازانِ منزلِ ناسوت رازدارانِ انجمنِ ملکوت، سرفروشانِ میدانِ جبروت۔ مدہوشانِ بامِ لاہوت۔

ہمہ حلقہ بگوشان آں بادہ فروشش خواہند شُد

نیز خاندانی نسبتوں کے لحاظ سے بھی اگر آپؒ کے اسمِ پاک کو دیکھا جائے تو آپ کو آلِ نبیؐ و اولادِ علیؓ ہونے کا ایسا اعزاز حاصل ہے کہ خاندانِ رسالتؐ کے چشم و چراغ ہونے اور جنابِ امیر علیہ السلام حضور شیرِ خدا سے تجلیاتِ روحانیہ اور ارثِ خاص علم لدُنی بفحوائے اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ۔ آپؒ نے پیدائشًا خاص وراثت میں حاصل فرمایا اور جس نے حضورِ پُر نور کو دیکھا، دل سے تصدیق کی کہ بے شک آیۂ پاک اُولٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ کی خوش خبری ایسی ہی برگزیدہ سیرۃ پاک کے لیے ہے۔

آں اکرم النفوس ست، آں اعظم الروس ست
آں مطلع شموس ست والشمس والضحٰے را
وارثؒ ولی مرادف معنی ارث دارند
چوں احمد و علیؓ راہست اتحاد آرا
لفظ علیؓ و منی ھم یا انا و منہٗ
باشد حدیث صادق سردار انبیا را
لَھُمُ روحكَ و روحی ھم نَفْسُكَ و نفسِی
ھم جِسْمُكَ و جِسمی ھم لحمہ دَلھم ھادا

حضور کی خاندانی عظمتِ سیادت اور شرفِ اختصاص اس صُورت میں بھی قائم رہا کہ آپ کے اجداد امجاد نے غیر کفو میں شادیاں نہیں کیں۔

مسلمہ ہے کہ حضور قبلۂ عالم کے جدِّ امجد سیّد اشرف ابوطالب علیہ الرحمۃ نیشاپور سے تشریف لائے اور قصبہ رسُول پور کنتور میں اقامت گزیں ہوئے۔ وہ صحیح النسب سادات کاظمی تھے اور اپنی سیادتِ نیشاپوری کی عظمت و شان کو انہوں نے بکمالِ احتیاط ہمیشہ محفوظ رکھا۔

چنانچہ "لطائفِ اشرفی" میں حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ العزیز کا یہ ارشاد مرقوم ہے کہ سلطان السلاطین ابراہیم خلد اللہ ملکہ کے زمانے میں جب یہ فقیر جونپور میں آئے اور پُر تاثیر بڑے بڑے لوگ تمام شہر سے شرف قدوم لائے اور جیسا کہ میر صدر جہاں نے بعض بعض سادات کے متعلق استفسار فرمایا اور ہندوستان کے اکثر سادات کو "مجہول النسب" فرمایا یعنی جن کے خون میں سادات کے علاوہ دوسرا خون شامل ہو چکا ہو۔" اور بعض سادات کے صحیح النسب ہونے میں بہت مبالغہ فرمایا اُن میں سے سادات کنتور کو "سادات معروف النسب" ہندوستان بھر میں فرمایا یعنی جن کے پاکیزہ و صحیح کو سب جانتے ہیں۔"

اپنے خاندان کے برگزیدہ ہونے کے متعلق خود حضورِ انور نے اس طرح فرمایا کہ ہمارے اجداد نے غیر کفو میں شادی نہیں کی' اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ہمارے سید واڑہ میں ایک سید بظاہر رند مزاج تھے۔ لوگوں نے امتحان کے طور پر ان کے دامن پر آگ رکھ دی اور دامن نہ جلا' اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ہمارے خاندان کی بیبیاں نذر حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کی صحنک کھانے جب آتی تھیں تو پہلے ان کو چونا کھلایا جاتا تھا۔ اگر چونے کا اثر زبان پر نہ ہوتا تب ان کو صحنک کھلاتے تھے۔"

نیز حضور قبلہ وکعبہ مرشد نا برحق حضرت بیدم شاہ صاحب وارثی رحمۃ اللہ علیہ کا حضورِ اقدس سرکار وارث عالم پناہؒ کا گوشہائے مبارک سے سُنا ہُوا فرمان جو حیاتِ وارث مصنفہ جناب شیدا میاں وارثیؒ بر صفحہ ۳۰ مرقوم ہے بطور سند آخر رقم کیا جاتا ہے:

"موسم سرما تھا کہ بغرض حصولِ سعادتِ قدم بوسی دیوا شریف حاضر ہُوا، دیکھا کہ حضورِ انور کمرہ میں استراحت فرما ہیں اور مولوی عبدالحی صاحب وارثی جگوری پاؤں دبا رہے ہیں۔ مَیں بھی ایک گوشہ میں بیٹھ گیا۔ حضورؒ نے مولوی عبدالحی وارثی سے فرمایا، "ہمارے مورثِ اعلیٰ نے نیشاپور سے ہندوستان آنے کا ارادہ کیا تو پہلے خراسان گئے اور امام رضا علیہ السلام کے مزارِ اقدس پر ہاتھ رکھ کر عرض کیا کہ جدی! ہم ہندوستان جاتے ہیں مگر آپ سے عہد کرتے ہیں کہ کبھی حالت میں رہیں اپنی عظمتِ سیادت کو ہمیشہ محفوظ رکھیں گے اور نسب میں داغ نہ لگائیں گے۔ چنانچہ

وہی کیا کہ ہمارے اجداد نے غیر کفو میں مناکحت نہیں کی۔ بلکہ اکثر یہ ہُوا ہے کہ خاندان میں کوئی لڑکا نہ ہُوا تو کنواری لڑکیاں بوڑھی ہو کر مر گئیں مگر ان کی غیر کفو میں شادی نہیں کی اور کبھی ایسا بھی ہُوا ہے کہ اپنے اعزہ میں لڑکی نہیں ملی تو مرد بوڑھے ہو گئے لیکن دوسرے خاندان کے سیّدوں میں بھی شادی نہیں کی اور اپنی سیادتِ نیشاپوری کا پورا تحفّظ کیا۔"

نیز زبان زدِ عام ہے کہ حضورؒ کے دادا مکرم کی شادی خانہ آبادی ساٹھ برس کے سن شریف میں ہُوئی اور حضور کی دادی مکرمہ کی عمر پاک چودہ برس کی تھی ؎

نسل حضرت کی صاف ہے ایسی
سُچّے موتی کی آب ہو جیسی
چہرہ سے جلوہ گر ہے سراسر خدا کا نور
ظاہر ہے لب سے قدرتِ اللّٰہ کا ظہور
رُخ سے عیاں ہے صاف تجلّیٔ برقِ طُور
ایسا پری جمال کہ قربان جس پہ حُور
بحرِ ضیائے حق کا یہ دُرِّ یتیم ہے
جاری اسی کا خلق میں فیضِ عمیم ہے

؎ ندانم آں گُل خود رو چہ رنگ و بو دارد
کہ مرغے ہر چمنے گفتگوئے او دارد

(شیخ علاؤالدین اودھیؒ)

حق

حضرت وارث عالم پناہ

حافظ حاجی وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

کا شجرۂ نسبی

حضورِ انورؒ کی ولادتِ باسعادت حضور شہزادۂ گلگوں قبا حضرت سید الشہداء عالی جناب امام حسین علیہ السلام کی چھبیسویں پشت میں ہوئی ہے

اے آمدنت باعثِ آبادیٔ ما

ذکرِ تو بود زمزمۂ شادیٔ ما

۱۔ حضرت سرورِ کونین خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہاشمی القریشی

وصال پاک ۲۔ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ مدینہ منورہ

۲۔ سیدہ پاک بی بی فاطمۃ الزہراؓ بنتِ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) مالکِ ارض وسما

وصال پاک ۳۔ رمضان المبارک سنہ ۱۱ھ مدینہ منورہ (جنت البقیع)

۳۔ مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ بن ابی طالب (کرم اللہ وجہہ الکریم)

وصال پاک ۲۱۔ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ نجف اشرف (عراق)

۴۔ سیدنا ابی عبد اللہ الحسین علیہ السلام شہیدِ کربلا

وصال پاک ۱۰۔ محرم الحرام سنہ ۶۱ھ کربلائے معلیٰ (عراق)

۵۔ حضرت سیدنا علی ابن الحسین امام زین العابدین علیہ السلام

وصال پاک ۲۷۔ محرم الحرام

۶۔ حضرت سیدنا امام محمد باقر علیہ السلام

وصال پاک ۷۔ ذی الحجہ سنہ ۱۱۴ھ مدینہ منورہ (مدفون جنت البقیع)

حق

۷۔ حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظم علیہ السلام
وصال اقدس ۵۔ رجب المرجب ۱۴۰؁ھ کاظمین بغداد شریف (عراق)

۸۔ حضرت سیدنا امام جعفر صادق علیہ السلام
وصال مبارک ۱۲۔ ربیع الاوّل ۱۲۷؁ھ جنت البقیع مدینہ منورہ

۹۔ حضرت سیدنا امام قاسم حمزہ علیہ السلام
وصال پاک ۹۔ صفر ۱۶۲؁ھ کاظمین بغداد شریف (عراق)

۱۰۔ حضرت سیدنا امام علی رضا علیہ السلام
وصال مبارک ۳۔ رجب نیشاپور

۱۱۔ حضرت سیدنا امام محمّد مہدی علیہ السلام
وصال پاک ۱۱۔ شوال نیشاپور

۱۲۔ حضرت سیدنا محمد جعفر رحمۃ اللہ علیہ
وصال شریف ۲۵۔ رجب نیشاپور

۱۳۔ حضرت سیدنا ابو محمّد رحمۃ اللہ علیہ
وصال پاک ۱۷۔ ذی القعد نیشاپور

۱۴۔ حضرت سیدنا علی عسکری رحمۃ اللہ علیہ
وصال پاک ۲۷۔ محرم نیشاپور

۱۵۔ حضرت سیدنا ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ
وصال پاک ۹۔ ربیع الاول ۱۵۔؁ھ نیشاپور

۱۶۔ حضرت سیدنا محمد محروق رحمۃ اللہ علیہ
وفات شریف ۱۹۔ رمضان المبارک ۲۵۵؁ھ مشہد شریف نیشاپور

۱۷۔ حضرت سیدنا اشرف ابوطالب رحمۃ اللہ علیہ
وصال پاک ۱۷۔ شعبان ۴۰۷؁ھ رسول پور بارہ بنکی (ہندوستان)

(آپ حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کے قافلہ میں تشریف لائے جن کا مزار اقدس لاہور میں ہے)

حق

۱۸۔ حضرت سیدنا عزالدین رحمۃ اللہ علیہ

وصال شریف ۱۶۔ ذی الحجہ ۵۲۹ھ رسول پور۔ بارہ بنکی (یوپی)

۱۹۔ حضرت سیدنا علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ خلیفہ حضرت نصیرالدین روشن چراغ دہلوی

وصال شریف ۱۷۔ شوال ۶۱۸ھ رسول پور۔ بارہ بنکی (یوپی)

۲۰۔ حضرت سیدنا عبدالآد رحمۃ اللہ علیہ

وفات شریف ۷۔ محرم ۷۰۱ھ رسول پور۔ بارہ بنکی (یوپی)

۲۱۔ حضرت سیدنا عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ

وفات شریف یکم رجب ۸۰۹ھ رسول پور۔ بارہ بنکی (یوپی)

۲۲۔ حضرت سیدنا زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ

وصال پاک ۱۳۔ رمضان المبارک ۸۸۳ھ رسول پور۔ بارہ بنکی (یوپی)

۲۳۔ حضرت سیدنا عمر نور رحمۃ اللہ علیہ

وصال پاک ۲۵۔ ربیع الاول ۹۲۳ھ رسول پور۔ بارہ بنکی (یوپی)

۲۴۔ حضرت سیدنا عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ

وفات شریف ۷۔ جمادی الاخریٰ ۹۸۰ھ آپ نے بڑیلہ (دیوا شریف)

(آپ ہی سے دیوا شریف کی اقامت شروع ہوتی ہے)

۲۵۔ حضرت سیدنا سید احمد المعروف میراں رحمۃ اللہ علیہ

وصال شریف ۲۱۔ ربیع الاول ۹۹۹ھ بڑیلا شریف (دیوا شریف)

۲۶۔ حضرت سیدنا کرم اللہ رحمۃ اللہ علیہ

وصال اقدس ۱۱۔ ذی الحجہ ۱۰۸۰ھ بڑیلا شریف (دیوا شریف)

۲۷۔ حضرت سیدنا سلامت علی رحمۃ اللہ علیہ

وصال شریف ۲۰۔ شوال ۱۱۶۲ھ بڑیلا شریف (دیوا شریف)

۲۸۔ حضرت سیدنا حاجی قربان علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

وصال شریف ۱۷۔ رمضان المبارک ۱۲۲۱ھ بڑیلا شریف (دیوا شریف)

۲۰۷۰۶

غرض زمانہ طفولیت بھی حضورِ انورؒ کا نہایت مہتمم بالشّان تھا۔ جس سے تمام چھوٹے بڑے حضور پُر نورؒ کے روبرو نہایت مؤدب رہتے تھے۔

حضرت سیدنا قربان علی شاہؒ

حضور انورؒ کے والد ماجد حضرت سیدنا قربان علی شاہ علیہ الرحمۃ اپنے زمانے کے حافظ۔ قاری اور مشہور طبیب تھے۔ آپؒ نے علوم درسیہ کی تکمیل خیر البلاد بغداد شریف (عراق) میں فرمائی اور خاص کر فن حدیث پر آپؒ کو کامل عبور تھا۔

آپ کے عرسِ پاک کی تاریخ شمسی حساب سے تیسری کاتک مقرر ہے اور حضرت اقدس کی اجازت سے یہ عرس پاک قائم و دائم ہُوا۔

چمنے کہ تا قیامت گلِ اُو بہار بادا
صنمے کہ بر جمالش دو جہاں نثار بادا

حضرت وارثِ عالم پناہ کی

ولادت باسعادت و ایّام طفولیت

الصُّبحُ بَدَا مِن طَلعَتِہٖ
وَالّیلُ دَجیٰ مِن وَفرَتِہٖ

آپؒ کے پردادا سید کرم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے تین صاحبزادے تھے۔ سیّد بشارت علی صاحب سید سلامت علی صاحبؒ اور سید شیر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

سید سلامت علی صاحبؒ کے صاحبزادے حضور انورؒ کے والدِ بزرگوار حضرت سیّد قربان علی شاہ علیہ الرحمۃ تھے جن کا عقد مبارک اپنے حقیقی عمِ مکرم سید شیر علی شاہؒ کی صاحبزادی حضرت سیدۃ سکینہ عرف چاندن بی بی رحمۃ اللہ علیہا سے ہوا۔ اس سلسلے سے آپ سیّد سلامت علی شاہؒ کے پوتے اور سیّد شیر علی شاہؒ کے نواسے ہیں اور نجیب الطرفین حسینی ہونے کا خاص شرف رکھتے ہیں۔

آخر ز بیت طاہر یعنی نبیؐ آخر
ایں خیر وارثاں شد آئینہ اولیاء را

نے نے غلط نوشتم آئینہ چیست بے حس
انساں عین او ہست اعیان انبیاء را

شرفاءِ اودھ میں بہ اعتبار حسب ونسب دولت و ثروت، تبحرِ علم وفضل اور تقدس آپؒ کا خاندان ہمیشہ وقیع و معتقد رہا ہے۔ صرف علوم ظاہری کی بنا پر نہیں بلکہ مراتب حقانیہ و علوم و مدارجِ روحانیہ میں بھی حضور کے آباد اجداد سرفراز و ممتاز رہے ہیں اور علوم سینہ و سفینہ پر

حق

برابر ان کا قبضہ اور تصرف رہا ہے۔ ان سے ہر زمانہ میں چشمۂ فیض جاری رہا۔ اسلامی تاریخ کے صفحات میں ان کے مبارک تذکرے سبق آموز رشد و ہدایت ہیں۔ ان کے نانا حضرت سید شبیر علی صاحبؒ اپنے زمانے میں یکتائے روزگار درویش گذرے ہیں۔ ان کو موضع "ہنسواری" کی سند و معافی منجانب سلطنتِ اودھ مصارفِ خانقاہ کے لیے نذر کی گئی تھی۔ گویا کہ حضورِ انورؒ کے آبا و اجداد اپنے جوہرِ ذاتی یعنی شانِ سیادت ہی کی بنا پر معزز و ممتاز نہیں رہے بلکہ علمی اور روحانی دنیا میں بھی شرف و اعزاز رکھتے تھے۔ نیز "مشکوٰۃِ حقانیہ" سے منقول ہے کہ حضرت مخدوم علاء الدین اعلیٰ بزرگ علیہ الرحمۃ جن کو آپؒ کے خاندان کا مورثِ اعلیٰ کہنا چاہیے۔ حضرت سلطان نصیر الدین روشن چراغ دہلوی علیہ الرحمۃ کے خلیفۂ اعظم تھے اور حضرت ابوالبرکاتؒ و شیخ یحییٰؒ کے علومِ ظاہریہ میں شاگرد تھے جن کی نسبت قاضی بخشش علیؒ نے اپنے رسالہ "وسیلۂ بخشش" میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے آپؒ کے اُستادوں کو ہدایت کی تھی کہ ان کو علم کیمیا و سیمیا و ریمیا سکھاؤ۔ ہندوستان میں پہلے جس مقام کو آپؒ کے اجدادِ کرام کا وطن مالوف ہونے کی عزت نصیب ہوئی وہ "رسُول پور کنتور" ہے۔ پھر سیّد عبدالاحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیوا شریف میں اقامت فرمائی اور پانچ پشتیں حضورؒ کی اسی قصبہ میں گذریں۔

دیوا شریف

دیوا شریف کی سرزمین بھی نواح اودھ میں ممتاز رہی ہے۔ اس مقدس مقام کو تاریخ کے اعتبار سے اہمیت حاصل ہے۔ یہ ایسے شرفا کی بستی رہی ہے کہ اس میں اہلِ علم و دانش ہی بکثرت پیدا نہیں ہوتے بلکہ یہاں مردانِ خدا بھی اکابرِ وقت گذرے ہیں۔ دیوا شریف ضلع بارہ بنکی[1] سے سات میل دُور صوبہ متحدہ اودھ کا ایک قصبہ ہے۔ یہاں نوٹیفائڈ ایریا کمیٹی

---

[1] بارہ بنکی: بارہ بنکی کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں بعض بہت ہی عجیب و غریب روایتیں سننے میں آتی ہیں ایک روایت یہ ہے کہ اس علاقے میں بارہ بن یا جنگل تھے اور ان کی مناسبت سے اس علاقہ کا نام بارہ بنکی پڑا۔ کچھ لوگ اس نام کو "بارہ بنکے" کی ایک تبدیل شدہ شکل قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بھر راجاؤں کے بعد اب سے کوئی سو سال پہلے اس علاقے میں بارہ مسلم سرداروں نے اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں بنالی تھیں۔ یہ آپس میں لڑتے رہتے تھے اسی لیے "بانکے" کہلاتے تھے۔ دوسری روایت کے مطابق جو تاریخ کی بجائے عقیدے سے تعلق رکھتی ہے

ہسپتال اور مدرسہ قائم ہے۔

دیوا شریف کے پرانے منہدم اور عالی شان عمارات اس امر کی تصدیق کر رہے ہیں کہ تقریباً ستر-اسّی برس پیشتر یہ مقام بڑے بڑے امرا۔ اور تعلقداروں کا ایک مشہور مرکز تھا۔ یہاں کے لوگ بڑے خلیق اور ان کی گفتگو میں محبت اور نرمی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے

در مدح دیویٰ شریف

دل اُڑائے لیے جاتی ہے ہوا دیوے کی
ملتی جلتی ہے مدینہ سے فضا دیوے کی

برہمن کاشی پہ صدقے ہیں تو کعبہ پہ شیوخ
اور ہم خیر مناتے ہیں سدا دیوے کی

میرے ہر ذرہ کو پابوسیٔ وارثؒ ہو نصیب
خاک بھی مجھ کو بنائے تو خدا دیوے کی

حشر تک ہوش میں آنا نہیں ممکن ان کا
پی چکے ہیں جو مئے ہوش رُبا دیوے کی

نکہتِ گیسوئے وارثؒ میں بسی ہے بیدمؔ
بوئے عرفاں سے معطّر ہے فضا دیوے کی

(بقیہ صفحہ ۲۵ سے آگے) بارہ بنکی کا علاقہ دراصل "وارہ دن" ہے جس کی کڑی ابتدائے آفرینش سے ملتی ہے۔ "وارہ" سنسکرت میں "سوز" کو کہتے ہیں اور ایک عقیدہ یہ ہے کہ شیوجی دنیا کو راکششوں سے نجات دلانے کے لیے "سوریا وراہ" کا روپ دھارن کرکے یہاں آئے تھے اور موجودہ ضلع بارہ بنکی کی شمال مشرقی سرحد کے قریب گھاگرا اور سرجو کے سنگم پر انھوں نے راکششوں کو شکست دی اس معرکے کی مناسبت سے یہ علاقہ وراہ چھتر کہلایا اور چونکہ یہاں ایک ہرا بھرا جنگل بھی تھا اس لیے اس کو "وراہ دن" کہا جانے لگا۔ بعد میں کثرتِ استعمال سے "بارہ بنکی" ہو گیا۔ بارہ بنکی کے تقدس کی اس کہانی کی اگلی منزل اس ضلع کا قصبہ سترکھ ہے جس کا رشتہ پست (یعنی سات) ریاستوں کی اس تپسیا سے جوڑا جاتا ہے جس نے اس عقیدے کے مطابق سات ستاروں کی شکل میں امر بنا دیا کہتے ہیں کہ ان ریاستوں میں رشی وشوامتر بھی تھے اور ان کے آشرم میں تعلیم تربیت کے جو متلاشی قرب وجوار اور دور دراز سے آتے رہتے تھے ان میں شری رام چندر بھی تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس ضلع میں مہابھارت کے آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ پانڈوؤں نے اپنے بن باس کے بارہ میں گنیش پور اور رام نگر کے جنگلوں میں بتائے تھے اور موضع "کنتور" کا نام ان کی ماں مہارانی کنتی کے نام پر پڑا۔ (حضرت وارث چراغِ خاندانِ پنجتن کے بزرگ نیشاپور سے ہندوستان میں آکر پہلے اسی موضع میں سکونت پذیر ہوئے)

حق

سرکار وارثِ عالم پناہ حافظ حاجی سید وارث علی شاہ علیہ الرحمۃ کی ولادتِ باسعادت مولائی مہینے یعنی یکم رمضان المبارک ۱۲۳۸ھ میں بمقام دیوا شریف ضلع بارہ بنکی (یوپی۔انڈیا) میں ہوئی (بقول صاحبِ تحفۃ الاصفیاء بزبان فارسی)

حضورِ انورؒ کی والدہ ماجدہ سیدہ سکینہ عرف چاندن بی بیؒ حضور کے آبائی خاندان کی بہت قریب کی رشتہ دار تھیں۔ ان کی نسبت متعدد روایات مظہر ہیں کہ آپؒ نے ہمیشہ سرکارِ عالم پناہؒ کو باوضو ہو کر دُودھ پلایا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ احیاناً اگر وضو نہ ہوتا تو آپؒ دُودھ پیتے ہی نہ تھے بالآخر وہ سمجھ جاتیں اور جب وضو ہو جاتا تو آپؒ دُودھ نوش فرماتے تھے۔ سبحان اللہ کیا شان تھی آپ کے مراتب کی کہ عالمِ طفلی ہی سے ورع اور تقویٰ کا یہ حال تھا۔ چنانچہ یہ اور اِس قسم کے دوسرے اکثر شاہدات آپؒ کے ولیٔ مادر زاد ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

حضرت شاہ فتح علی مرید و خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحمٰن صوفی رحمۃ اللہ علیہ (زیارت گاہ لکھنؤ) نے اپنے خلیفہ اور مرید حضرت شاہ خدابخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ارشاد فرمایا کہ:

"اِس وقت ایک لڑکا کم سِن دیوا شریف میں ہے جو صاحبِ ولایت ہے اِس کا شہرہ آگے چل کر مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک ہوگا۔"

یہ وہ زمانہ تھا جب قبلۂ عالم پناہؒ کی ولادت ہو چکی تھی اور بستی کے لوگ آپؒ کی بزرگی سے قطعاً ناآشنا تھے۔ حضور کے تمام اعزّہ آپؒ کے حیرت انگیز عادات شریف جن کا زمانۂ رضاعت سے ہی اظہار ہو رہا تھا، دیکھ کر گرویدہ ہو گئے تھے اور اس کا یقین ہو چکا تھا کہ یہ بچہ ضرور برگزیدۂ خدا اور صاحبِ مقاماتِ علیا ہے کیونکہ عام بچوں کے حالات سے آپؒ کے عادات شریف بالکل جداگانہ اور ممتاز تھے۔ جیسا کہ دیوا شریف کے معزز اشخاص کا بیان ہے کہ ہماری بزرگ مستورات جب حضور قبلۂ عالمؒ کے عہدِ طفلی کا ذکر فرماتی تھیں تو تعجب کے ساتھ کہتی تھیں کہ ایسے خصائل کا بچہ دیکھا گیا سنا بھی نہیں۔

منقول ہے کہ دُودھ نوش فرمانے میں یہ شانِ امتیازی تھی کہ بجز وقت معینہ کے آپؒ دیگر اوقات میں رغبت نہیں فرماتے تھے اور عام بچوں کی طرح گھبرا کر اور جلد جلد نہیں بلکہ کم مقدار میں نوش فرماتے جس سے آپؒ کے صبر و سکون کا اظہار ہوتا تھا۔

اکثر شبِ ماہ میں آپؒ چاند اور ستاروں کو بغور دیکھتے اور مسکراتے تھے جس سے صاف

ظاہر ہوتا تھا کہ قدرت الٰہی کی صفت گوناگوں کی چشمِ حقیقت میں سیر کر رہی ہے۔ غرض یہ عجیب و غریب عادات دیکھ کر آپ کے معمر اعزہ بھی آپ کی تعظیم کرنے لگے اور ترقیٔ عمر کے ساتھ ساتھ صفاتِ حسنہ کی شان اور مزاج میں آزادی بڑھ گئی۔

نشو و نمائے جسمانی اس قدر ترقی پر تھا کہ اپنے ہم سن اطفال سے دو چند معلوم ہوتے تھے۔ سرِ مبارک ہمیشہ اپنے ہم عمر بچوں سے بلند رہتا تھا۔ حضورِ انورؒ کی یہ عظیم صفت تاحیات ظاہر جاری و ساری رہی۔ جو آپ کی سیادت و عظمت کی بین دلیل تھی ؎

آفتابِ مشرقِ عزّ و شرف
مشرقِ نورِ شہنشاہِ نجف

گر سیادت ہست گل او بحو پوست　　شہر نیشا پور جائے خاص اوست
چوں بعالم پا بنہاد آں نیک خو　　مادرش شیرش نہ دادہ بے وضو

چوں شبیہ شیرِ یزداں یافتند
نامزد وارث علیش ساختند

حضورِ انور علیہ الرحمۃ کا آلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اولادِ علی کرم اللہ وجہہ سے ہونا ہی کیا کم شرف اور اتباعِ سنت کا موجب تھا اس پر جب خاندان اور گھر کا ماحول بھی اسی رنگ میں رنگا ہو تو کیا کہنا ؎

چشم پیدا کن کہ بینی آشکار و نہاں
در لباسِ گل رخاں رنگِ نبیؐ بوئے علیؓ

شگفتہ گلشنِ زہراؓ کا ہر گلِ تر ہے　　کسی میں رنگِ علیؓ ہے کسی میں بوئے رسولؐ

"حیاتِ وارثؒ" میں جناب شیدا میاںؒ وارثی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:

▪ حضورؒ شکمِ مادر ہی میں تھے اور اس عالمِ ظاہر میں قدم رنجہ نہیں فرمایا تھا کہ حضور کے والدِ ماجد نے رحلت فرمائی۔"

مگر صاحبِ مشکوٰۃ حقانیہ کے مطابق:

▪ ہنوز تین سال سن شریف نہیں ہوا تھا کہ سایۂ والد سر سے اُٹھا اور اسی سال میں

والدہ ماجدہ بھی رحلت فرما گئیں۔"

یہ یتیمی بھی حضور پر نورؒ کو وراثۃً پہنچی۔ اَلَمۡ یَجِدۡكَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی۔

مابعد حضورؒ کی دادی صاحبہ سیدہ بی بی حیات النساءؒ صاحبہ کفیلِ پرورش ہوئیں مگر ۔

عشق آں شعلہ ست کو چوں بر فروخت

ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

آٹھ برس کا سن شریف ہوا تھا کہ ان کا سایۂ عاطفت بھی سر مبارک سے اُٹھ گیا۔

انتقالِ والدین کے حادثات کا ذکر اکثر خود حضورِ انورؒ نے بھی اپنی زبانِ مبارک سے اس پیرایہ میں فرمایا۔

"ہماری عمر دو سال کی ہی تھی کہ والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا مگر خُدا اپنے بندوں کا حقیقی ناصر اور بہت بڑا مددگار ہے جو والدین سے زیادہ مہربان اور بے ماں باپ کے بچوں کی پرورش کرتا ہے اس لیے خدا پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیۡلًا۔"

آپؒ لہو ولعب سے قطعی متنفر تھے۔ جود وسخا، مہر وعطا دراثۃً آپؒ کو ترکۂ آبائی میں ملی تھی۔ زمانہ طفولیت میں اگر کوئی کھیل بھی تھا تو یہ تھا کہ روزمرہ بچوں کو شیرینی اور غربا کو نقدی تقسیم فرماتے تھے اور اپنے ہم عمر بچوں کو عشقِ الٰہی کی ترغیب دیتے اور نصیحت فرماتے تھے۔ دس گیارہ برس کی عمر تک آپؒ کے دہن مبارک سے اطفالِ شیر خوار کی طرح لعاب بکثرت جاری رہتا تھا اکثر اوقات آپؒ کی چشمان مبارک سُرخ اور آب دیدہ ہو جایا کرتی تھیں جن سے آشوبِ چشم کا گمان ہوتا مگر دوسرے اوقات میں آشوبِ چشم کا کوئی اثر نمایاں نہیں ہوتا تھا تو دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی تھی۔ نیز زمانہ طفولیت میں آپؒ کی فہم وفراست کا یہ عالم تھا کہ ایک حجن آپ کے مکان میں زیارت کا صندوقچہ لائی جس میں مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ اور دیگر مقاماتِ مقدسہ کے نقشے تھے۔ آپؒ نے دریافت فرمایا: "اس میں کیا ہے؟" حجن نے عرض کیا کہ میاں مکہ اور مدینہ کے نقشے ہیں جو بالکل اصل معلوم ہوتے ہیں۔ آپؒ نے برجستہ جواب دیا کہ "نقل کے دیکھنے سے کیا ہوتا ہے اصل ہی کو نہ دیکھیں گے"۔

اسی صغر سنی کا واقعہ ہے کہ دیوا شریف میں حضرت شاہ عبدالمنعم کنز المعروف شاہ ولایت قادریؒ کے آستانہ پر ایک درویش کو دیکھا کہ آنکھیں بند کیے ہوئے تصور میں مشغول ہیں جب وہ

درویش اپنی حالت سے ہوشیار ہوا تو آپ نے فرمایا:

"شاہ صاحب یہ کیا کرتے ہو؟"

تو انہوں نے کہا، برزخِ شیخ کا تصور کرتا تھا، آپ نے فرمایا:

"تم نے تو آنکھیں بند کرلی تھیں تو نظر کیا آتا، تم نے سُنا نہیں کہ "مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى" اگر شوق کامل اور طلب صادق ہے تو ہر ذرہ میں حبیب کی دید نصیب ہو سکتی ہے۔"

جب آپ کا سن شریف پانچ سال کا ہوا تو حسبِ دستورِ خاندان تقریبِ بسم اللہ شریف کے بعد آپؒ مکتب میں بٹھائے گئے ؎

بچپن میں کہہ رہے تھے یہ انداز آپؒ کے
جو اہلِ دل ہیں وہ ہمیں دلبر بنائیں گے

آپؒ نے حضرت مولینا سیّد مظہر علی صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ سے دو برس میں قرآن کریم کا ملاً حفظ فرمایا ؎

چوں ہفتم سالگی شد گام سنج
حافظِ قرآن شد بے تعب و رنج

جب دادی صاحبہ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تو جناب والا کے برادرِ نسبتی فخر الاتقیا و زبدۃ العرفا حضرت مولائی و سیّدی حاجی خادم علی شاہ صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ آپ کو لکھنؤ لے آئے اور ایک مولوی صاحب کے حلقۂ درس میں شریک کر دیا۔ خواندگی کے دوران حضورؒ سے ایسی کیفیات ظاہر ہوتی تھیں کہ سب حیران و ششدر رہ جاتے تھے۔ تمام طلبہ آپؒ کی تعظیم اور خود معلّم صاحب بھی آپ کا ادب کرتے تھے۔ چنانچہ معلّم صاحب نے ایک روز حضرت قبلۂ عالم سیّدنا حاجی خادم علی شاہ صاحبؒ سے عرض کیا کہ ان صاحبزادے کے کرشمے حیرت انگیز ہیں گو یہ میرا ادب ملحوظ رکھتے ہیں لیکن مجھے تعجب ہے کہ اس عالمِ طفولیت میں جو باتیں ان سے ظہور پذیر ہوتی ہیں وہ کاملین سے بھی کم دیکھنے میں آتی ہیں۔ تعلیم کی یہ حالت کہ صاحبزادے پڑھے پڑھائے پیدا ہوئے ہیں اور حیرت پر حیرت یہ ہے کہ شاگرد کا رعب استاد پر غالب ہے۔

حضورِ انورؒ کو علومِ ظاہرہ کی تعلیم خود حضرت سیّدنا حاجی خادم علی شاہ صاحبؒ نے بھی کچھ عرصہ تک دی ہے۔ حضرت سیدنا حاجی خادم علی شاہ صاحبؒ قبلہ علاوہ ایک ولیٔ کامل ہونے کے علومِ ظاہریّہ میں بھی ایک ممتاز درجہ رکھتے تھے کیونکہ آپ نے مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ محدث دہلوی سے احادیث و فقہ کی تعلیم پائی تھی۔

شیخ حسین علی صاحب نواب وارثی ساکن سادہ مؤ ضلع بارہ بنکی (انڈیا) ایک واقعہ سے مطّلع فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپؒ کے استاد مولوی امام علی صاحب بتقریب عُرس شاہ عبدالمنعمؒ شاہ ولایت، دیوا شریف میں آئے تو حضور خود ان سے ملنے کو تشریف لے گئے۔ مولوی صاحب حضور پُر نور کو دیکھ کر تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ آپؒ نے مولوی صاحب سے فرمایا کہ ہمارے استاد بجائے باپ کے ہو۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اُس وقت ہم بجائے باپ کے تھے مگر اب آپؒ ہمارے بجائے باپ کے ہیں۔ مجھ کو وہ دن یاد ہے کہ مَیں نے ایک مرتبہ غصّہ سے کہا تھا کہ پڑھو تو آپؒ نے اس طرح بغور دیکھا کہ مجھے تین دن بخار آیا اور پھر جب مَیں آپؒ سے سبق یاد کرنے کو کہتا تو آپؒ میرے سامنے کتاب رکھ دیا کرتے تھے اور سبق سنا دیا کرتے تھے۔

حضورِ انورؒ کے مزاجِ لطیف میں کسی قدر مزاح بھی تھا۔ چنانچہ اپنے عہدِ تعلیم کا یہ قصہ اکثر بیان فرماتے تھے کہ مولوی صاحب نے ہم سے کہا کہ پڑھو، "اَلْکَلِمَةُ لَفْظٌ" ہم نے کہا جب کلمہ ایک لفظ ہے تو اس کا پڑھنا فضول ہے ایک لفظ پڑھ کر ہم کیا کریں گے۔

جب عمر شریف دس سال سے کچھ زیادہ ہوئی تو مزاجِ ہمایوں کی آزادی نے پابندی گوارا نہیں فرمائی اور تمامی تعلقات سے دست بردار ہو کر ہمہ تن یادِ مطلوب میں مصروف ہو گئے۔

عاشقاں را شد مدرس اسم دوست
دفتر و درس سبق شان روئے اوست

مبارک ہے وہ بندۂ باصفا ... کہ ہو ہر بنِ مُو میں جس کے خدا
یقیناً فنا ہیں جو اللہ میں ... بڑی چیز ہیں چشمِ آگاہ میں
خصوصاً شہنشاہِ وارث علیؒ
وہ عاشق کے عاشق ولی کے ولی ... (سیّد بے نظیر شاہ وارثیؒ)

حق

۲۹- حضرت سیدنا عالم پناہ حافظ حاجی سید **وارث علی شاہ** رحمۃ اللہ علیہ

وصال مبارک یکم صفر المظفر ۱۳۲۳ھ بمطابق ۲۳- اپریل ۱۹۰۵ء بروز جمعہ

روضۂ اقدس - دیوا شریف (ضلع بارہ بنکی)



روحانی پیشین گوئیاں
اور حضورِ انور کا سلسلۂ بیعت

اے کہ ہستی مظہرِ عین الیقین
اے کہ ہستی وارثِ صدقِ امین
ایں شناسم از طفیلِ لطفِ تو
ورنہ ہستم مشتی از خاکِ زمین

جناب رحیم شاہ صاحب وارثی رحمۃ اللہ علیہ خادم خاص بارگاہ اقدس فرماتے تھے کہ مولنا شاہ عبدالرحمن صاحب موحد وصوفی لکھنوی علیہ الرحمۃ کے خاص حاضرین سے میں نے سنا ہے کہ آپؒ اکثر فرماتے تھے کہ دیوا شریف میں ایک صاحبزادہ ہیں جن کی طرف تمام مخلوق رجوع ہو گی اور وہ اپنے وقت کے آفتاب ہوں گے۔ مشرق سے مغرب تک ان کے فیض و تصرف کا ڈنکا بجے گا۔

حضورِ انور اپنی دادی صاحبہ سیدہ حیات النساءؒ کے وصال پاک کے بعد اپنی ہمشیرہ مکرمہ یعنی زوجہ حضرت قبلۂ عالم سیدنا حاجی خادم علی شاہؒ کی آغوشِ حمایت میں پرورش پاتے ہوئے لکھنؤ میں قیام فرماتے تھے تو اسی زمانے میں ایک بزرگ وہاں مقیم تھے۔ جن کا اسم اقدس حضرت اکبر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ ان کی طرف خلق کی بہت رجوعات تھیں اور اکثر بزرگ ان کو قطب الوقت خیال کرتے تھے اور حضرت سیدنا حاجی خادم علی شاہؒ بھی ان کو کاملین میں سے سمجھتے تھے۔ ایک روز حضرت سیدنا حاجی خادم علی شاہؒ اپنے ہمراہ حضورؒ کو لے کر حضرت اکبر شاہ صاحبؒ کی ملاقات کو تشریف لے گئے۔ حضور انورؒ کو دیکھتے ہی شاہ صاحبؒ ممدوح نے اپنی گود میں لے لیا اور فرمایا :

"یہ صاحبزادے اپنے وقت میں عدیم المثال ہوں گے۔"

حق

"کہ مثل ایں طفل جواں بخت تا ہزار سال دیگرے بریں ملک نزول نخواہد نمود۔ ایں کس ملائیکست بشکل انسان وسراپا نوریست بہ کالبد خاکی پنہاں۔ بہ چار دانگ عالم مشتہر خواہد گردید واز کجا تا بہ کجا خواہد رسید وحلقے از جن وانس اطاعتش خواہد گزید۔"

بنشس سحر لیست ز اسرارِ الٰہی
از و یک قطرہ از مہ تا بماہی

اسی طرح حضور شیخ المشائخ حضرت مولٰنا شاہ نجات اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت سیدنا حاجی خادم علی شاہ صاحبؒ کے مرشدِ برحق تھے۔ دلِ شریف کی جانب سینہ کھول کر فرماتے تھے کہ اس آفتاب کی روشنی سے میں سینہ کو بھرتا ہوں جو اب طلوع ہوا چاہتا ہے۔

جب حضور انور کی عمر شریف گیارہ برس کی ہوئی تو ظاہری طور پر حضرت سیدنا حاجی خادم علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت فرمایا اور سلاسل عالیہ قادریہ چشتیہ میں داخل فرمایا اور اذکار و اشغال کی تعلیم ہونے لگی اور حضورؒ کا قلبِ مجلّا انتہائی مدارجِ روحانی سے روشن ہوا۔

قلزمِ حُسن و محبّت کا سفینہ نکلا
اس میں جو ڈوبا وہ انمول خزینہ نکلا (نقشِ حیرت)

چونکہ جوہرِ قابل اظہر من الشمس تھا۔ معاً سنت خلافت سے بھی خلا کو بھرپور فرمایا۔

چھانٹا وہ دِل کہ جس کی ازل سے نمود تھی
پسلی پھڑک اُٹھی نگہِ انتخاب کی!

اور چونکہ حق کی شمعِ نورانی پوری آب و تاب سے ازلی انداز سے روشن تھی کہ دن کو مہر عالم تاب بھی تیرہ و تار معلوم ہوتا تھا۔

اُن کے رُخِ روشن کو جس روز سے دیکھا ہے
خورشید بھی ہیدم کو ذرہ نظر آتا ہے

حضورِ انورؒ تو مجسمۂ عشقِ ازلی تھے۔ نورانیتِ حق ابدی بھی۔ آپؒ ظاہرداریوں کے رسمی این و آں سے بے نیاز تھے

تیرا آستاں سلامت مجھے کیا غرض کسی سے

حضرت سیدنا حاجی خادم علی شاہ صاحبؒ کی علالت اور وصالِ حق

آپ کی طبیعت بوجہ ریاضت اور کمزوری جسم خراب رہنے لگی اور بعد چندے آپ کی علالت نے طول پکڑا اور آپ کے علاج کے لیے بہترین حکماء کو طلب کیا گیا اور مستقل چھ ماہ برابر مختلف معالج آتے رہے مگر کوئی افاقہ نہ ہوا بلکہ مرض میں شدت ہی ہوتی گئی ؏

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

حضور وارث پاک علیہ الرحمۃ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ ان کا زیادہ تر مشغلہ اس وقت ریاضت اور عبادت کا تھا اور حسب ہدایت پیر و مرشد آپؒ اپنا تمام وقت عبادتِ الٰہی میں صرف فرماتے تھے۔ ماہِ صفر المظفر کی دس تاریخ سے حالت زیادہ نازک ہوئی۔ یہ ۱۲۵۳ھ کا واقعہ ہے۔ ۱۳ صفر کو آپ نے پھر کچھ تعلیمات کے الفاظ ارشاد فرمائے۔ اس کے بعد تمام شب استغراق اور سکوت میں گذاری۔ ۱۴ صفر ۱۲۵۳ھ بروز دوشنبہ بعد نمازِ فجر (جو بستر علالت پر اشاروں سے ادا ہوئی) دفعۃً دو ہچکیاں شدید آئیں۔ ہچکیوں کے ساتھ ہی طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن

اس وقت آپؒ کے حلقہ میں مریدوں اور احباب و اعزہ کا کافی مجمع تھا۔ سب میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ خبر کے مشہور ہوتے ہی ایک جمِ غفیر ہو گیا۔ نواب اودھ کی طرف سے شاہانہ طور پر دفن کیے جانے کا حکم ہوا۔ کیونکہ بادشاہِ وقت آپؒ سے بہت ہی خاص ارادت اور عقیدت رکھتا تھا۔ انتظاماتِ شاہی میں زیادہ وقت صرف ہوا اور نمازِ جنازہ بعد ظہر ادا کی گئی۔ جس میں شاہی عمائدین کے علاوہ شہر کے تمام علماء، اور مشائخ اور دوسرے اکابرین شامل تھے۔ نماز کے بعد جنازہ مکانِ سکونت سے تکیہ گولہ گنج لایا گیا اور وہیں آپؒ کے جسمِ اطہر کو سپردِ خاک کیا گیا۔ آہ ؎

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

سوئم کے روز اتفاقی بحث و تمحیص کے دوران جناب سید سعادت علی صاحبؒ بن سید محمود محققؒ بن حضرت غوث گوالیاریؒ کی عین یداللّٰہی تحریک اور حضور اکبر شاہؒ اور مولانا امیر علی صاحبؒ کی پُر جوش تائید سے دستارِ مقدس و خلعت حضور نے زیب تن فرمایا۔ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ۔

جیسا کہ تمام زمانہ حضورؒ کے علو مرتبت کا واقف تھا۔ اس لیے تمام جلسہ میں اُنہیں حضرات کی رائے وقعت کی نگاہوں سے دیکھی گئی جن کی نظرِ انتخاب حضور پُر نور پر پڑی تھی۔ اسی صغر سنی کے زمانے میں آپؒ کے دستِ حق پرست پر بکثرت مخلوقِ الٰہی نے بیعت کی۔ چنانچہ مولوی رونق علی صاحب وارثی الرزاقی پینے پوری لکھتے ہیں:

"میرے خاندان میں بوجہ قرابت و تعلقات خاندانی خانقاہ رزاقیہ میں سب بیعت ہوتے تھے۔ مگر سید السادات حضرت شاہ عبدالرزاق صاحب بانسوی رحمۃ اللہ علیہ کی اُس پیشین گوئی کے بموجب جو حضورؒ کی نسبت مشہور ہے کہ "میری پانچویں پشت میں ایک آفتاب ظاہر ہوگا" میرے جدِ بزرگوار مولوی وزیر علیؒ صاحب مرحوم و مغفور اسی سال حضورِ انور کی بیعت سے مستفید ہوئے جس سال دستار بندی ہوئی تھی۔"

نیز "حیات وارث" میں جناب شیدا میاں وارثیؒ نے اپنے والد مکرم و محترم کا واقعہ لکھا ہے جو بے شمار رموز و نکات کا حامل ہے۔

"حضرت والد ماجد نے اپنی ارادت کا واقعہ یوں بیان فرمایا ہے کہ حاجی سید خادم علی شاہ صاحبؒ کی روحانی شخصیت کا چونکہ شہرہ تھا اس لحاظ سے میں بھی بطور نیازمندی ان کی تقریبِ سوئم میں شریک ہوا۔ بعد فاتحہ خوانی کے دیکھا کہ نہایت وجیہہ اور غایت حسین نوعمر صاحبزادے کے سرِ اقدس پر مقتدر مشائخین نے پگڑی باندھی۔ میرے دل پر ان صاحبزادے کی عظمت و جلالت کا غیر معمولی اثر ہوا۔ ارادہ کیا کہ مصافحہ کروں مگر رعبِ حق ایسا سدِ راہ ہوا کہ قریب نہ جاسکا اور مکان پر واپس آیا۔ لیکن اس کا یقین کامل ہو گیا کہ یہ صاحبزادے برگزیدۂ خدا ہیں اور ان کے پردے میں کوئی بہت بڑی قوت کارفرما ہے۔

چند روز کے بعد ان صاحبزادے کو عالمِ رویا میں یہ فرماتے دیکھا کہ ہمارے پاس آیا کرو۔ علی الصباح حصول قدم بوسی کے شوق میں گھر سے چلا۔ جب مسجد پل قصاباں کے قریب پہنچا تو دیکھا وہی صاحبزادے مسجد سے برآمد ہوئے اور میرے سلام کا جواب نہایت اخلاق سے دیا اور فرمایا کہ ٹھہرو ہم آتے ہیں۔

تھوڑے عرصے میں زنانہ محلسرائے سے دوڑ کر چرخی اور کنکوا ہاتھ میں لیے تشریف لائے اور کنکوا مجھ کو دے کر فرمایا کہ "چھوڑائی دو" حسب الحکم کنکوے کی ڈور پکڑ کر ہنوز ۱۰-۱۵ قدم گیا تھا کہ مسکرا کر فرمایا "اب ڈور نہ چھوٹے"۔ اس مختصر جملے کا میرے قلب پر ایسا گہرا اثر ہوا کہ اشکبار قدموں پر گرا اور عرض کیا، للّٰہ دستگیری فرمایئے کہ میرے کمزور ہاتھوں سے آپؒ کی ڈور نہ چھوٹے۔ آپؒ بیٹھ گئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ کہو ہاتھ پکڑتا ہوں پیر کا؛ میں نے یہ جملہ ادا کیا تو آپؒ نے ہاتھ چھوڑ کر چند ہدایتیں کیں اور فرمایا "جاؤ، دُنیا کے طالب نہ ہونا اور خدا کی محبت میں بندگانِ خدا کی بقدرِ امکان خدمت کرنا اور قلب کی نگرانی اور انفاس کے شمار سے غافل نہ ہونا"۔ اور پھر آپؒ محل سرائے میں تشریف لے گئے۔

مَیں حسبِ ہدایت مکان تو واپس آیا مگر دل کا تقاضا تھا کہ یہیں پڑے رہو اور ان ہی کی دل پذیر صورت کو جو قدرت کی مجسم تصویر ہے، دیکھا کرو بلکہ اسی اضطراب کی وجہ سے روزانہ خدمتِ والا میں حاضر ہوتا تھا۔ ایک ہفتہ کے بعد آپؒ نے یہ پرورش فرمائی کہ غریب خانہ پر تشریف لے آئے اور ہماری والدہ کو بھی داخلِ سلسلہ فرمایا اور بتاکید ارشاد ہوا:

"ایک صورت کو پکڑ لو، وہی صورت یہاں بھی تمہارے ساتھ رہے گی اور قبر میں اسی کو دیکھو گی"۔

اسی ارشادِ والا میں اکثر اوقات حضورِ انور نے یہ بھی اضافہ فرمایا ہے ▪
▪ اور اسی کے ساتھ حشر بھی ہو گا"

صبا بہ تہنیت پیرِ مَے فروش آمد
کہ موسم طرب و عیش و ناز و نوش آمد

"آدابِ عشق یہ ہے کہ راہِ طلب میں فقیر ننگے سر اور پابرہنہ رہے"۔

پست شو تا فیضِ حق فائض شود
ہر کہ جا پستیت آب آنجا رود!

صاحبِ "ندائے غیبی" منقول ہیں۔ جب حضور وارثِ پاک علیہ الرحمۃ کی رسم دستار بندی ختم ہو گئی تو حضورِ والا کے ایک ہمجولی گھسیٹے میاں نے جو بچپن سے بے تکلف تھے حضور سے کہا کہ اس وقت کباب کھانے کو جی چاہتا ہے۔ چنانچہ حضور نے کبابچی سے چار پیسے کے کباب خریدے اور جب کباب والے نے پیسے طلب کیے تو آپؒ نے فرمایا کہ پیسے تو ہمارے پاس نہیں ہیں۔ تب کبابچی نے کہا کہ اگر پیسے نہیں ہیں تو اس کے عوض کچھ اور دے دیجئے تو حضور قبلۂ عالم نے وہی دستار متبرکہ کہ جو بکمال احتیاط آپؒ کے زیبِ سر کی گئی تھی اتار کر اس کبابچی کو دے دی اور فرمایا کہ "پیسوں کے بجائے یہ لے لو"۔ کبابچی یہ خلعتِ فاخرہ پاکر مسرور اور کیف ہو گیا اور دستارِ مبارک کو حرزِ جاں بنالیا۔ حقیقت یہ تھی کہ حضور قبلۂ عالم منازلِ عشق طے فرما رہے تھے۔

صاحب "حیاتِ وارثؒ" جناب افقر موہانی الوارثی سے منقول ہے۔ جب حضور وارث پاکؒ کی رسمِ دستار بندی ختم ہو گئی تو اس رسم کے خاتمہ پر جمع حاضرین نے سرکار وارث پاکؒ کے سامنے نذرِ عقیدت پیش کی۔ سلامتی کی دعائیں اور مبارک باد کی صدائیں بلند ہوئیں۔ شاہی توپ خانہ سے سات سلامی توپیں سر ہوئیں اور آپؒ سب حضرات کی معیت میں درگاہ مخدوم شاہ مینا علیہ الرحمۃ لائے گئے جہاں آں مخدوم علیہ الرحمۃ کا قل پڑھا گیا اور تبرک تقسیم ہُوا۔ جب سب حضرات تشریف لے گئے تو آپ نے تخلیہ پاکر عمامہ مبارک، رومال اور لمبا کرتا اپنے بدن سے جُدا فرما کر مزار حضرت شاہ میناؒ پر رکھ دیا۔ تسبیح بھی وہیں رکھ دی۔ جس کو مجاوروں نے اپنے اپنے طریقہ پر تقسیم کرلیا۔ اسطرح خرقہ وخلافت اور سجادگی سب کا ترک درگاہ حضرت شاہ میناؒ میں ہو گیا اور آپؒ خالی واپس آئے ؎

مذہبِ عشق از ہمہ مذہب جداست
عاشقاں را ملت و مذہب خداست

حضور وارث پاک علیہ الرحمۃ کا سفرِ حجاز پاک

تسلیم و رضا

لی حبیبٌ عربیٌ مدنی القرشی — کہ بود درد و غمش مایۂ شادی و خوشی

جامیؒ ارباب وفا جز رہِ عشقش نزنند — سرِ عبادت گر ازیں راہ قدم باز کشی

لکھنؤ میں حضرت سیدنا خادم علی شاہؒ کی وفات کے ایک ماہ بعد سب لوگ دیوی شریف واپس آ گئے۔ سرکار پاکؒ نے عزم مصمم بیت اللہ شریف کی زیارت کا دل میں کر لیا تھا۔ اس لیے دیوی شریف پہنچ کر تمام اسباب منقولہ دوستوں اور عزیزوں میں تقسیم فرمایا۔ غیر منقولہ جائداد جس میں دو باغ آم اور زمینداری کا کافی رقبہ شامل تھا وہ قریبی عزیزوں کے حوالے کر دیا مگر تحریری طور پر کوئی لکھا پڑھی نہیں ہوئی اور اس طرح ایک ماہ کے قیام کے بعد آپؒ وطن مالوف سے رخصت ہو کر لکھنؤ پھر واپس آئے۔ یہاں مرشد برحق حضرت حاجی خادم علی شاہؒ کے مزارِ اقدس پر ایک روز قیام فرمایا۔ دوسرے دن حضرت شاہ میناؒ اور شاہ دوسیؒ کے مزارات پر تشریف لے گئے۔ وہاں سے رخصت ہو کر رات ہی رات میں روانہ ہو گئے۔ اس میں اختلاف ہے کہ لکھنؤ سے آپؒ کدھر اور کہاں سرگرم سفر ہوئے۔ قوی روایت یہ ہے کہ کانپور اور وہاں سے شکوہ آباد، مین پوری اور فیروز آباد ہوتے ہوئے آگرہ پہنچے وہاں سے اجمیر شریف کا پہنچنا ثابت ہے۔ کیونکہ وہ زمانہ حضرت خواجۂ خواجگان والیٔ چشت اہل بہشت سید معین الدین چشتی اجمیریؒ کے عرس پاک کا تھا۔ وہیں کی روایت ہے کہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے روضۂ اقدس کے بیرونِ صحن سلسلۂ قلندریہ کے فقراء بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے السلام علیکم کہا۔ جواب کے بعد ایک فقیر نے مزاحاً کہا کہ "میاں صاحبزادے بغل میں روٹیاں دبائے ہوئے کہاں جا رہے ہو" چونکہ سرکار پاکؒ نے کفش مبارک کو ایک کپڑے

میں لپیٹ لیا تھا اور بغل میں دابے ہُوئے تھے۔ آپ نے ان کا فقرہ سنتے ہی وہ جوتیوں کا بندھا ہُوا رومال ان کی طرف پھینک دیا اور فرمایا: "لو بانٹ کھاؤ"۔ اس وقت سے پھر کبھی کسی نے آپؒ کو جوتا پہنے ہوئے نہیں دیکھا گویا کہ مادی متروکات کا سلسلہ خواجۂ دوجہاںؒ ہی کے آستانہ مبارک سے شروع ہوگیا اور جو رفتہ رفتہ تمام مدتِ سفر تک جاری رہا۔

دورانِ قیام اجمیر شریف میں متعدد طالبین دستِ حق پرست پر بیعت ہُوئے۔ ازاں جملہ عبداللہ سنگ تراش اور اس کی بیٹی (بی بن) بھی داخلِ سلسلہ ہوئے گو قبلۂ عالمؒ کے فیض سے کچھ نہ کچھ تو ہر ارادتمند مستفیض ہوتا تھا۔ مگر بی بن نے زیادہ حصہ پایا۔ وہ خوش نصیب اجمیر شریف میں بی بن اللہ والی کے نام سے مشہور ہوئی اور تارک الدنیا ہوگئی۔

اسی طرح ایک روز حضورِ انورؒ جھالرہ کے قریب تشریف فرما تھے کہ ایک درویش آکر قدم بوس ہُوئے اور آب دیدہ ہوکر کچھ عرض کرنا چاہا کہ آپؒ نے مسکرا کر معانقہ کیا اور فرمایا کہ "بس اسی کے واسطے رویا کرتے تھے"۔ درویش صاحب بکیف ہوگئے اور عرض کی کہ "داتا میرا کام ہوگیا۔"

اجمیر شریف میں کچھ روز قیام رہا اس کے بعد وہاں سے بطرف گجرات برودہ چلے گئے۔ وہاں احمد آباد میں حضرت شاہ عبدالصمد قادریؒ کے مزار کی زیارت حاصل کی جو حضرت سیدنا شاہ عبدالرزاق بانسویؒ کے پیرِ طریقت تھے۔ اسی طرح تمام سفر پیادہ پا طے فرمایا اور ماہ شعبان المعظم کے اوائل میں قلابہ (ساحل بمبئی) میں تشریف فرما ہوئے۔ وہاں نامی گرامی سیٹھ ملک التجار صاحبان حضورِ پاکؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہُوئے۔

یہاں سے حضور پاکؒ جہاز پر سوار ہُوئے اور کامل توکل کے ساتھ حضورِ انورؒ خورد و نوش کے سامان سے قطعی بے نیاز ہوکر جہاز کے نیچے کے درجے میں رونق افروز ہوئے۔ اس زمانے میں آپ تیسرے دِن غذا تناول فرماتے تھے مگر جہاز میں کئی دن بن کھائے ہوئے گذر گئے تو جہاز خود بخود رُک گیا۔ اس جہاز میں ایک نیک بخت تاجر محمد ضیاء الدین صاحب بھی سوار تھے۔

سبحان اللہ والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ حبیبہ الکریم

ان کو خواب میں حضور سرورِ کائنات، خلاصۂ موجودات جناب نبی الحیات حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارتِ پاک ہوئی اور ارشادِ عالی ہُوا:

"اے ضیاء الدین تو خود کھاتا ہے اور ہمسایہ کی خبر نہیں لیتا۔"

اس پر ضیاء الدین صاحب چونک اُٹھے اور کل جہاز والوں کی دعوت کر دی اور خود اس ولی اللہ کی تلاش میں سرگرداں ہوئے اور بکمال جاں ریزی نیچے تہ خانے میں گئے تو حضور کو خاص توکل کے بستر پہ بوریا نشین دیکھا۔

قناعت فقر کی تھی ایک تاجِ خسروی جنکو
انہیں کا بوریائے بے ریا تختِ سلیماں دیکھا

دوڑ کے قدم بوس ہوئے اور وہیں کھانا حاضر کیا۔ حضور پاکؒ نے دو چار لقمے تناول فرمائے اور مابعد ضیاء الدین صاحب جب اپنے ٹھکانے پر پہنچے تو جہاز خود بخود روانہ ہو گیا۔

تیر ان کا کبھی خطا نہ ہوا طائرِ سدرہ تک نشانہ ہوا

اس کے بعد سیٹھ ضیاء الدین صاحب ہر وقت کھانا لا کر پیش کرتے اور حضورِ انورؒ حسبِ معمول تیسرے روز قدرِ قلیل تناول فرماتے۔ کیوں نہ ہو۔ قربان جائیں اس رحمت کے مصداق ؎

اللہ اللہ یہ سخاوت دِل سمندر ہو گیا
اب تو کچھ حاجت نہیں بس تو میرے دل میں رہے

سبحان اللہ کیا فیضان تھے ؎

مرے کریم جو بے مانگے تجھ سے پاتا ہو!
وہ جا کے کیوں کہیں دستِ طلب دراز کرے

وارثؒ حبیبِ خدا ؏ شاہ تسلیم و رضا ابنِ شہیدِ کربلا
مولا مشکل کشا کے لال۔ سخی ابن سخی ابن سخی۔ بمصداق ؎

نہ اتقا نہ ریاضت نہ زہد ہے نہ ورع
متاعِ بیدمؔ خستہ عطائے وارثؒ ہے

ایسے خادمِ مخلص۔ عاشقِ صادق کے لیے قیامت تک کے فیضان کے سوا کیا دیتے۔ جن کے لیے جدِ امجد ابی و روحی فداؐ کی زیارتِ پاک برنگِ خاص جاری ہے۔

اور جب اہلِ جہاز نے حضورِ انورؒ کی رفعت و عظمت کو دیکھا کہ حضرت محبوبِ ذوالجلال نے

آپؒ کی مبھوک کے لیے بشارت وخیال فرمایا تو ضیاء الدین میاں تو خصوصاً اور جملہ جہاز والے عموماً حضورؒ کے گرویدہ ہوئے اور بہت سے ارادتمند شرفِ بیعت سے مستفید ہوئے۔ لہٰذا فرمانِ سرکارِ پاکؒ خود ہے کہ:

"جہاز پر سب ہمارے یار ہو گئے اور جدّہ میں سب نے اصرار کیا کہ آپ کا اونٹ آگے اور ہمارے اونٹ پیچھے چلیں گے تاکہ ظاہر ہو کہ سب کے وارثؒ اور قافلہ سالار آپؒ ہیں۔ ہم نے کہا یہ جھگڑا ہے۔ پس جب وہ لوگ کھانا پکانے میں مشغول ہوئے تو وہاں سے ہم مکہ معظمہ تک پیدل چلے گئے اور راستہ میں کسی بدو نے ہمیں نہیں ستایا۔"

نیز حضورِ انور جب جدّہ شریف میں اُترے اور ضیاء الدین صاحبؒ بھی اترنے کو ہوئے تو حضورِ انورؒ نے انہیں مدینہ طیبّہ کے لیے اجازتِ رخصت دی جیسا کہ حضورؒ نے خود ارشاد فرمایا:

"جب ہم جدّہ شریف اترے تو سیٹھ ضیاء الدین صاحبؒ جو ہم سے جہاز پر بہت محبت کرنے لگے تھے۔ وہ بھی اترنے لگے تو ہم نے کہا کہ بہتر ہے کہ تم پہلے مدینہ منورہ ہو آؤ۔ کیونکہ حج میں ابھی چار ماہ کا انتظار کرنا ہو گا اور زندگی کا اعتبار نہیں۔ انہوں نے آبدیدہ ہو کر کہا کہ دِل تو یہی چاہتا ہے کہ آپؒ کی معیت میں رہوں مگر حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔

تھوڑے عرصے کے بعد ہم سے مکہ معظمہ میں کسی نے آکر کہا کہ ضیاء الدین صاحبؒ جب روضۂ اطہر پہنچے اور آستانہ بوسی کے واسطے جُھکے تو اسی حالت میں اس طالبِ صادق کا دم نکل گیا۔"

یہ عالم تھا جو حضورِ انورؒ نے بے طلب اور قیامت کے بعد تک کے لیے عطا فرمایا کہ:

"دیارِ حبیبِ پاک کا قیامت تک کے لیے قرب اور ہر سال عطائے حج ہزاروں فرشتے ادا فرمائیں گے۔"

الغرض اس کے بعد ۲۹ شعبان المعظم ۱۲۵۲ھ کو بوقت شب مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ دوسرے روز یکم رمضان المبارک کو بغرضِ طواف روانہ ہوئے۔ باب السلام کے قریب ایک جلیل القدر بزرگ نے

جو مکہ معظمہ میں دوائر کبریٰ مشہور تھے۔ آپؒ سے معانقہ کیا اور بشارت دی کہ صاحبزادے آج وہ انوارِ احدیت مشاہدہ کرو گے۔ جن کے دیکھنے کی استعداد صدیوں کے بعد خدا نے تم کو مرحمت فرمائی ہے۔ "ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء"

حضور قبلۂ عالم یکم رمضان المبارک سے تا ادائیگی حج مکہ معظمہ میں مقیم رہے۔ حضورؒ کا یہ شغلہ تھا اور معمول میں داخل تھا کہ روزانہ جب رات کو سناٹا ہو جاتا اور صرف چیدہ چیدہ لوگ رہ جاتے اس وقت مقامِ ابراہیمؑ میں بہ نیت نفل کھڑے ہوتے اور نہایت خوش الحانی سے مصری لہجہ میں دو رکعت میں پورا قرآن پاک ختم فرماتے اور نماز فجر کے بعد بستر پر جاتے اور تمام دن تاریخی مقامات اور مقدس یادگاروں کی سیر و زیارت میں گزر جاتا۔ اس دوران میں آپؒ کے تصرفاتِ باطنی کا شہرہ عام ہو گیا اور سینکڑوں مقتدر ہستیاں اور ممتاز حضرات حلقہ بگوش ہوئے۔

مستقل تین ماہ حرم کعبہ کی زیارت کے بعد حج کا زمانہ آیا اور پہلا حج مبارک ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۶ء میں ادا فرمایا جو حضورِ انورؒ ہی کے ارشاد کے مطابق حج اکبر تھا۔ اس وقت آپؒ کی عمر شریف ۱۵ سال ۲ ماہ ۹ دن تھی۔ بعد الحج بھی آپؒ کا قیام کچھ دنوں بیت اللہ شریف میں رہا۔

حرم والوں نے ایک صبح کو دیکھا تو حضورؒ کو غائب پایا۔ تلاش و جستجو سے بھی پتہ نہ چلا۔ دُور دُور وہاں کے لوگوں نے پتہ لگایا مگر بجز یاس و حسرت کچھ نہ پایا۔ اب اس مقام سے لکھنے والوں میں قیاسات کو دخل ہوا۔ کسی نے کوئی سمت ظاہر کی۔ کسی نے کچھ اور کسی نے کچھ۔ صاحب "گلزار وارثؒ" قاضی بخشش علی ساکن گریہ اور مؤلف "تحفۃ الاصفیاء" حاجی خدا بخش شائقؔ دریابادی نے تحریر کیا ہے کہ حضورؒ نے بیت اللہ شریف سے مدینہ منورہ کا سفر اختیار کیا اور بعد طے مراحلِ سفر بہ از ذوق و شوق حرم نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نماز پڑھی اور زیارتِ روضۂ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے اور شبانہ روز وہاں کی برکات حسنہ سے مستفیض ہوتے رہے۔

یہ بھی روایت ہے کہ آپؒ کا قیام مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی میں رہتا تھا۔ صرف بعد عصر آپؒ جنت البقیع میں جاتے اور مغرب سے قبل ہی وہاں سے فارغ ہو کر پھر مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں واپس آ جاتے۔ مدینہ کی اقامت کے بارے میں حضور نے بعض اوقات ارشاد فرمایا کہ:

"وہاں کے دن رات بڑے اچھے اور وہاں کے لوگ بڑے نیک اور بھولے ہوتے ہیں"۔

مزارِ پاک حضرت حمزہ رضی اللہ عنہٗ کی نسبت فرمایا کہ" وہ بہت اونچے پر ہے اور سب سے الگ ہے۔ سیدہ پاک بتول رضی اللہ عنہا کے مزارِ مبارک پر ہم روزمرہ بڑی دیر تک حاضر رہتے اور وہاں کوئی نہیں جاسکتا۔"

مدینہ منورہ میں حضور کے قیام کی مدت کا کوئی اندازہ نہ ہو سکا۔ اہلِ مکہ کی طرح ایک صبح اہلِ مدینہ نے جب آپ سے ملنا چاہا تو آپؒ غائب پائے گئے۔ بعض اہلِ محبت حلقہ بگوش تمام دن جستجو میں رہے مگر آپ کا پتہ نہ چلا۔ صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ آپؒ نے نمازِ فجر اس دن مسجد قبا میں پڑھی تھی اور لوگوں نے وہیں سے جاتے ہوئے آپ کو دیکھا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ حرم نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے رات ہی میں رخصت ہو چکے تھے جبھی تو فجر کی نماز مسجد قبا میں ادا کی۔ "واللہ اعلم بالصواب"

صاحب "تحفۃ الاصفیاء" نے مدینہ شریف سے آپؒ کی مراجعت بطرف نجف اشرف لکھی ہے اور یہی قرینِ قیاس بھی ہے۔ کل شیٔ یرجع الیٰ اصلہٖ

چنانچہ آپؒ نے نجف اشرف کی زیارت اور برکات و فیوض سے مشرف ہوتے ہوئے کربلائے معلیٰ۔ بغداد۔ کاظمین اور خراسان کی طرف سفر پیادہ پا ہی اختیار کیا اور تمام مقاماتِ مقدسہ کی زیارت سے بہرہ اندوز ہوتے ہوئے افغانستان بعدہٗ ایران پہنچے۔

حضور پاکؒ کی نسبتِ اویسیہ

آپؒ نسبتِ اویسیہ کے ساتھ حضور مولائے کائنات سرکارِ مشکل کشا سے براہِ راست وابستہ تھے۔ حضور انورؒ کے واقعاتِ سفر میں بعض واقعات نہایت اہم ہیں جو مجملاً حاصل ہوئے ہیں اور مشکوٰۃِ حقانیہ اور تحفۃ الاصفیاء، عین الیقین کتب میں تحریر ہے اور دیگر بزرگانِ متقدمین بھی راوی ہیں کہ جب آپ مکہ معظمہ کی سرزمین میں پہنچے تو راہ میں ایک صاحبِ جذب درویش سے ملاقات ہوئی جو آپ کے انتظار میں تھے۔ انہوں نے آپؒ کے سینے سے سینہ ملایا اور جو امانت ان کے پاس تھی حضرتِ پاکؒ کے سپرد کردی۔ اس کے بعد آپ کے زانوئے مبارک پر سر رکھ کر واصل بحق ہو گئے۔ یہ بزرگ نہایت مشہور و معروف تھے اس لیے عمائدینِ مکہ آپ کی وفات کی خبر سُن کر وہاں پہنچے اور شریکِ تجہیز و تکفین ہوئے۔

اسی طرح مدینہ منورہ۔ شرف اللہ عظمۃ وجذبۃً کے راستے میں ایک درویش سے ملاقات ہوئی اور اُن سے بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ مولوی عبد الغنی خاں صاحب وارثیؒ بھی لکھتے ہیں کہ اُن کی نسبت خود حضور پُر نورؒ نے ارشاد فرمایا کہ اُن کی لاش طائرِ سبز ہو کر اُڑ گئی اور میں عرصہ تک جنگل میں پھرتا رہا۔

مولوی رونق علی صاحب وارثی الرزاقی بینئے پوری تحریر فرماتے ہیں کہ :

- خاص بیت اللہ شریف میں حضور پُر نور کی آمد پر ایک بزرگ ملے اور ملتے ہی وصال فرمایا بزرگانِ متقدمین کی تحقیقات کے مطابق وہ نسبتِ اویسیہ کے امانت دار تھے جنہوں نے حضور کو سونپ دی۔"

یہ روایت شاہ فضل حسین وارثیؒ سجادہ نشین حضرت شاہ ولایت قادریؒ نے سرکارِ عالم پناہؒ سے بھی

سُنی ہے اور جناب حاجی اوگھٹ شاہ وارثیؒ سے بیان فرمائی تھی اور حضرت مولانا حاجی منصب علی شاہ چشتی قادریؒ خلیفۂ خاص حضرت مولانا نعمت اللہ شاہ و شاہ ابوالحسن صاحب پھلواری سے بھی منقول ہے جو پہلے سفر میں اکثر مقاماتِ مقدسہ پر حضورؒ کے ہمسفر رہے ہیں۔

آپؒ کی تکمیل بطریق اویسیہ نجف اشرف مولائے کائنات کے روحانی تصرفات سے ہوئی اور کربلائے معلّٰی کی حاضری پاک کے اشارات اکثر آپ نے فرماتے ؏

جاں بندۂ روئے تو زاں رُو کہ تو مولائی

دورانِ سفر جب بھی حج کا زمانہ آتا رہا آپؒ مکہ معظمہ پہنچتے رہے پھر وہاں سے فارغ ہو کر سفر شروع فرمایا۔ اس طرح تیسرے حج کے بعد قسطنطنیہ کا سفر پیش آیا۔ جہاں آپ نے ایک ہفتہ سے زائد قیام فرمایا۔ اس کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ تیسرے حج میں شیخ عبداللہ نامی ایک ترکی حاجی حرم کعبہ میں آپؒ سے بیعت ہُوا اور اپنے ہاں (قسطنطنیہ) تشریف لانے کا حضورؒ سے بصد منت و اشتیاق وعدہ لے لیا۔ چنانچہ بعد فراغت حج آپ ایشیا سے یورپ کی طرف روانہ ہوئے قسطنطنیہ میں آپؒ کا وُرُود ہُوا۔ ایک روز شاہی باغ کی فصیل کی طرف سے گزر ہوا تو ایک پھاٹک پر شیخ عبداللہ کو منتظر پایا۔ وہ قدم بوس ہُوا اور بصد التجا اندر باغ کے لے گیا۔ کمبل بچھا کر بٹھایا۔ باغ کی سیر ہوئی۔ یہ باغ شاہی باغ تھا اور سلطان عبدالمجید غازی کی حکومت تھی۔ جب سلطان باغ کی سیر کو آیا تو عبداللہ کو خبر نہ ہوئی کہ سلطان مذکور باغ کی سیر کو آیا ہے۔ اُس نے اپنی زبان میں عبداللہ سے استفسار کیا۔ جس کے جواب میں حضورِ پاکؒ نے خود فرمایا: " درویش کا کوئی گھر نہیں ہوتا۔ جہاں پہونچ جاتے وہی گھر ہے۔"

عبداللہ نے دورانِ حج اپنے مرید ہونے اور حضور سے تشریف لانے کا باصرار تمام وعدہ لینا اور حضور کے محامد و محاسن کا حال بادشاہ کی خدمت میں ڈرتے ڈرتے عرض کیا۔ مگر سلطان سرکارِ پاکؒ کی پہلی ہی نظر کا شکار ہو چکا تھا۔ اس نے کوئی تعرض نہ کیا بلکہ عبداللہ سے سفارش چاہی کہ وہ حضرت صاحبؒ کو شاہی محل میں مہمان بنا کر لے آئے تاکہ دوسرے موالیانِ شاہی بھی حضورؒ کی زیارت سے بہرہ اندوز ہو سکیں۔ چنانچہ شیخ عبداللہ نے حضور پاکؒ سے درخواست کی۔ حضور بلا تکلف اس وقت چلنے کیلیے آمادہ ہو گئے۔

الغرض باغ سے روانہ ہو کر شاہی محل کو سرکارِ پاکؒ نے اپنے فیوض و برکات سے معمور فرمایا اور ایک ہفتہ بادشاہ اور شہزادوں کے اصرار پر وہاں قیام فرمایا۔ اس قیام میں نہ صرف شاہی خاندان کے جملہ صغار و کبار حضور پاکؒ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ بلکہ اہلِ شہر اور عمائدین کے صدہا نامور اشخاص نے بصدق دل بیعت سرکارِ پاکؒ سے حاصل کی۔

اللہ اللہ۔ خدا کی راہ پر چلنے والوں کا یہ مرتبہ۔ عاشقانِ الٰہی کا یہ احترام کہ جدھر نکل گئے خدا کی خدائی لوٹ لی۔ دُنیا کو معرفتِ الٰہی کا سبق دے کر نُور سے معمُور کر دیا۔ دُنیا قربان ہو گئی۔ سبحان اللہ والحمد للہ ؎

چہ افتاد است در ایں راہ کہ ہر سلطان معنی را
دریں درگاہ می بینم کہ سر بر آستاں دارد

یہ سرزمین قبلۂ عالمؒ کو بہت پسند آئی۔ آپؒ ہر روز باغ کی سیر کے بعد اس اطراف کے علماء، شہداء اور بزرگانِ دین کے مزارات پر جاتے۔ جس کا تذکرہ کبھی کبھی وطن کی واپسی پر اہالیانِ وطن سے بھی فرماتے تھے ؎

کس نہ دانست کہ آرام گہ یار کجاست
نہ کسے میرود آنجا نہ کسے می آید!

اس مقدس اور بابرکت سفر کے بعد آپؒ کی واپسی ۱۲۵۷ھ میں جانب وطنِ مالوف ہوئی۔ آپؒ کے مبئی پہنچنے کی خبر مشہور ہوئی۔ جو لوگ دیکھ کر آئے تھے۔ انھوں نے چشم دید بیان دیا۔ صفر المظفر ۱۲۵۷ھ میں حضرت مخدوم شاہ مینا علیہ الرحمۃ کے عرس پاک کا زمانہ تھا کہ یکایک آپ مزار موصوف پر کھڑے دیکھے گئے۔ اس سے قبل کسی کو علم بھی نہ ہو سکا کہ آپؒ کس طرف سے اور کب تشریف لائے۔ پہچاننے والوں نے بڑھ کر مصافحہ کیا آپ نے بھی اپنی فطری مسرت کا اظہار فرمایا۔ لوگ جوق در جوق ملنے لگے اور ایک دوسرے کو بتلاتا جاتا تھا۔

وہاں سے آپ حضرت حاجی خادم علی شاہؒ کے مزار مبارک پر آئے اور خُوب خُوب روئے۔ شب کو اسی تکیہ پر قیام رہا۔ صبح بعد نماز فجر درگاہ شاہ میناؒ میں حاضری ہوئی اور یہیں سے دیویٰ شریف کا پاپیادہ راستہ اختیار فرمایا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہُوا کہ مکان گر گیا ہے۔ ملبہ لوگ اُٹھا لے گئے ہیں۔

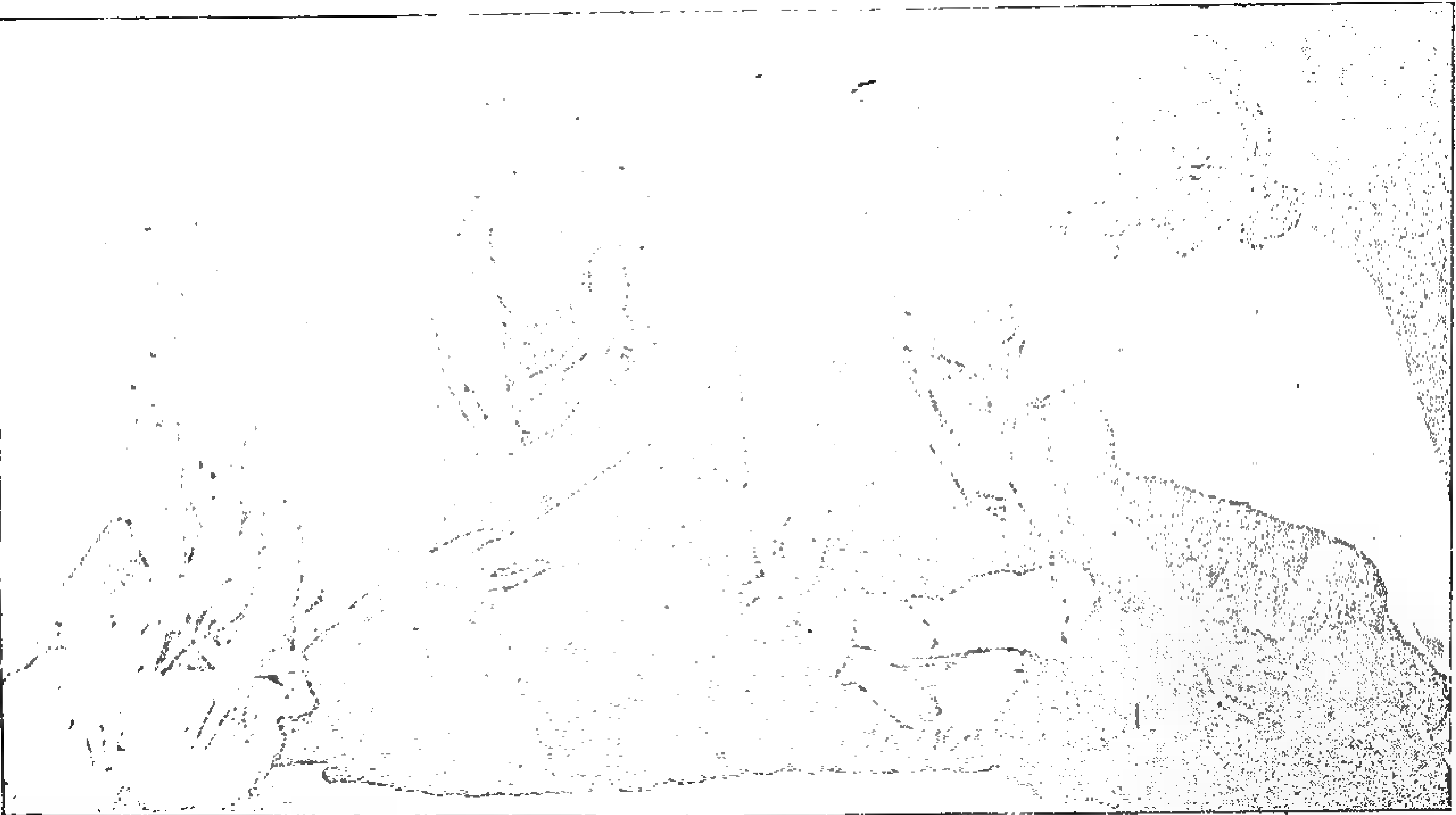
حق

پہچاننے والوں میں سے کچھ لوگ نظر آئے جو بڑے تپاک سے ملے مگر خاص عزیزوں میں سے کوئی پرسانِ حال نہ ہُوا۔ آپؒ کی واپسی پورے [illegible] سال بعد ہوئی تھی۔ آپؒ کے خاندانی اعزہ اور قریبی لوگوں میں سے کسی نے ملنا بھی پسند نہ کیا۔ آپؒ نے خود دریافت فرمایا۔ مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ بالآخر بعض نے جائیداد اور زمینداری کا تذکرہ کرتے ہوئے ان لوگوں کی کنارہ کشی کا حال ظاہر کر ہی دیا۔ اس پر حضورؒ نے تبسّم فرمایا اور خاموش ہو رہے۔ دوسرے دن صبح صندوق منگوایا گیا جو امانتاً کہیں سپُرد تھا۔ آپؒ نے اس سے وہ تمام کاغذات جو زمینداری اور وراثت کے متعلق تھے، نکالے اور سب کو دکھا کر پھر باندھ لیے بعدہٗ انہیں حضرات کی معیت میں بستی کے جانب چل کر کسی تالاب میں غرق کر دیے اور وہاں سے اپنے آبائی قبرستان تشریف لے گئے۔ دن بھر وہیں قیام کیا۔ شام کو واپس مکان پر تشریف لائے۔ اس کے بعد کچھ دنوں میں مکان کی درستی ہو گئی اور آپؒ از سرِ نو پھر اپنے آبائی مکان میں رہنے لگے۔ بوا حورن اس وقت تک بقیدِ حیات تھیں جنہوں نے آپؒ کی رضاعت کی تھی وہی اب بھی خدمت میں مشغول رہنے لگی۔

اس سفر کے حالات یہیں ختم ہو جاتے ہیں جو ۱۲۵۳ھ لغایت ۱۲۵۷ھ قائم رہا۔ ہر سال حج کا شمار کرنے سے جملہ پانچ حج بالتواتر آپؒ نے ادا فرمائے۔

وارثؒ دستگیر کے صدقے
مرشدِ بے نظیر کے صدقے
مجھ سے ناچیز کو کیا مقبول
لاکھ بار ایسے پیر کے صدقے

(سید بے نظیر شاہ وارثیؒ)



(دائیں طرف سے) قبلہ عبدالآد شاہ صاحبؒ وارثی ۲۔ جناب قبلہ بدنام شاہ صاحبؒ وارثی ۳۔ سرکار حضرت حاجی حافظ سیدنا وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ ۴۔ جناب قبلہ رحیم شاہ صاحبؒ وارثی



(دائیں طرف سے) جناب قبلہ سید شرف الدینؒ وارثی چیف جسٹس پٹنہ۔ جناب قبلہ نور محمد شاہؒ وارثی۔ حضرت قبلہ و کعبہ بیدم شاہؒ وارثی۔ جناب قبلہ گھڑے دل شاہؒ وارثی۔ حضرت سرکار وارث عالم نواز رحمۃ اللہ علیہ

دوسرا سفرِ حجاز پاک

حضورِ انورؒ نے ۱۲۔ ربیع الاول ۱۲۵۷ھ کو دوبارہ سفرِ حجاز پاک شروع فرمایا۔ اور لکھنؤ میں کچھ روز قیام فرمایا۔ درگاہ حضرت شاہ میناؒ اور مزار حضرت سید ناحاجی خادم علی شاہؒ پر حاضری دی یہاں تک کہ آپؒ لکھنؤ سے روانہ ہو گئے۔

یہاں پھر اس بات میں اختلاف ہے کہ اس مرتبہ کا سفر بعض کے نزدیک براہِ بمبئی اور وہاں سے بذریعہ جہاز ہُوا مگر ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اس مرتبہ آپؒ نے خشکی کا پیادہ پا سفر افغانستان، عراق کے راستے اختیار فرمایا اور پہلے مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ بعد کو حج کے زمانہ میں وہاں سے بیت اللہ شریف روانہ ہوئے۔ واللہ اَعْلَمُ بِالصَّواب۔

اِس دوسرے سفر کے حالات بھی مثلِ اوّل کے پردۂ اخفا میں رہے اور آپ کی واپسی دیوٰی شریف ہو گئی۔

وارثؒ کار ساز کے صدقے مرشدِ بے نیاز کے صدقے
ہم فقیروں کو سربلند کیا ایسے ذرہ نواز کے صدقے
میری حیرتؔ انہیں کا صدقہ ہے
اپنے آئینہ ساز کے صدقے

(جناب حیرت شاہ وارثیؒ)

تیسرا سفرِ حجاز پاک

حضورِ انورؒ پاپیادہ منازل طے فرماکر رجب ۱۲۶۰ھ میں پھر بمبئی پہنچے اور بذریعہ دخانی جہاز روانہ ہو کر ینبوع اُترے اور بعد زیارتؐ مدینہ منورہ سے جماعت انصار ان کی معیت میں یکم ذی الحجہ کو مکہ معظمہ پہنچ گئے اور بعد ادائے حج آخری ذی الحجہ کو عجمی قافلہ کے ساتھ ایران تشریف لے گئے اور ایران سے تمام یورپ، روس و اطراف جرمنی۔ مصر۔ بیت المقدس کی سیر و سیاحت فرماتے اور ہر جگہ اپنی محبت کا ڈنکا بجاتے مدینہ منورہ اور وہاں سے خانہ کعبہ تشریف لے گئے اور بعد ادائے حج کچھ طبیعت ناساز ہو جانے کی وجہ سے نیز مکہ والوں کے اصرار سے کچھ روز قیام فرمایا۔ پھر کسی باطنی کشش کے زیر اثر آخر ذی الحجہ میں غیر معمولی طور پر اہلِ مکہ سے رخصت ہو کر محرم کی ابتدائی تاریخوں میں مدینہ طیبہ پہنچ گئے اور چندے قیام فرما کر ہندوستان روانہ ہو گئے اور بمبئی کے قیام کے بعد اجمیر شریف ہوتے ہوئے سرزمین دیوٰی شریف کو ایسا شرف بخشا کہ مستقل طور پر آپؒ نے دیوٰے شریف میں سکونت اختیار فرمائی۔

میرے وارثؒ جگ اوجیالے تم پہ لاکھوں سلام

دیوٰے نگر استھان بنایو — سارے ہند کو بھاگ جگایو
برہم روپ سنکھ دکھلایو — تم ہو مینے والے تم پہ لاکھوں سلام
میرے وارثؒ جگ اوجیالے تم پہ لاکھوں سلام

بیدم تج کے اپنی نگریا — آن پڑو ہے تمری دھریا
ترے ہاتھ ہے لاج سنوریا — وارثؒ دیوے والے تم پہ لاکھوں سلام
میرے وارثؒ جگ اوجیالے تم پہ لاکھوں سلام

حضرتِ اقدس سرکار وارث پاک حضور سراپا نور کا

لباس، رنگِ لباس و اعضائے مبارک

وہ روئے زیبا ہے جان خوبی
ہیں وصف جس کے سارے کتابی
پھرتی ہے اب تک دل کی نظر میں
کیفیت ان کی وہ نیم خوابی

حضورِ انورؒ حسن و جمال کے اعتبار سے سراپا انتخاب تھے جس میں دستِ قدرت نے حُسن و خوبی کے ایسے چار چاند لگائے تھے کہ دیکھنے والے انوارِ الٰہی کا مشاہدہ کرتے تھے اور زبان قلب کلامِ الٰہی سے اس حسن دل افروز کی داد دیتی تھی: "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ" (ہم نے انسان کو بہتر سے بہتر ساخت کا پیدا کیا۔)

تمام جسم اطہر نور کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ چہرۂ انور کا گندمی سُرخی مائل رنگ نہایت دلفریب تھا جس میں وہ چمک اور روشنی تھی کہ رعبِ حُسن سے نظر جما کر دیکھنے کی تاب نہیں ہوتی تھی ؎

تندیل ماہ آئینہ مہر لمعِ برق　　اِک عکس ہے یہ آئینۂ رخ کی تاب کا

حضورؒ کا چہرۂ انور جس طرح بہ اعتبار حسن جمال وجیہہ و خوبصورت تھا۔ اسی طرح اس میں کششِ حسن اور فریفتہ و شیفتہ کر لینے کی قوتِ جاذبہ بھی کمال کے ساتھ تھی۔ جس سے مخلوقِ الٰہی پروانہ وار شمعِ جمال پر نثار ہوتی تھی ؎

ایک بیدمؔ ہی نہیں تیار مرنے کے لیے　　جو ترے کوچہ میں ہے اے جاں کفن بردوش ہے

اور رُخِ پُرنُور کو دیکھ کر یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی تھی کہ آپؒ خاندانِ رسالت کے چشم و چراغ ہیں۔ آپؒ کے جمال عدیم المثال نے بھی آفتابِ رسالت سے کسبِ ضیار کیا ہے اور یہ وہ آفتاب نہیں جو غروب ہونے والا ہو ؎

بصورتِ تو نگارے نہ آفرید خدا
ترا کشیدہ و دست از قلم کشید خدا

چہرۂ انور کا رنگ اکثر متغیر رہتا تھا کبھی سُرخ اور کبھی سفید ہو جاتا تھا اور بعض اوقات اِس میں ماہتاب کی طرح چمک پیدا ہو جاتی تھی۔ ایک خاص بات یہ تھی جس کو بہت کم لوگوں نے دیکھا ہے کہ حضور انورؒ صبح کو اس وقت تک چہرۂ انورؒ سے چادر نہیں ہٹاتے تھے۔ جب تک اندر ہی اندر روئے پاک کو دھو نہیں لیتے تھے۔ چنانچہ سید معروف شاہ وارثیؒ نے حسنِ اتفاق سے حضورِ انورؒ کے بغیر دھوئے ہوئے چہرۂ مبارک کی زیارت کی ہے ان کا بیان ہے کہ آفتاب کی طرح تھا جس سے نگاہوں میں خیرگی پیدا ہوتی تھی۔

قاضی محمد الیاس صاحب وارثی غازی پوری لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضورِ انورؒ کی خدمتِ عالی میں حاضر تھا۔ شب کا وقت تھا ۸ بجے ہوں گے چراغ روشن تھا، اتفاق سے گل ہو گیا۔ مَیں نے اس تاریکی میں حضورِ انورؒ کی ایسی روشنی دیکھی کہ خدا علیم ہے وہ قابلِ تحریر نہیں ہے اور نہ ظاہر کرنے کی بات ہے۔ مَیں اس خیال میں ایک گھنٹہ تک حیرت زدہ سا رہا۔ حضورِ انورؒ کے چہرۂ انور میں جو روشنی اور حُسنِ دلفریب تھا اس کے کرشمے کچھ وہی لوگ جانتے ہیں۔ جیسا کہ کلام پاک میں وارد ہُوا ہے:

" وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ
وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ■ (قصص ۵)

(اور ہمارا منشا یہ تھا کہ جو لوگ ملک میں کمزور کر دیے گئے تھے (یعنی حق کی راہ میں زہد و ریاضت کی بنا پر) اُن پر احسان کریں اور ان کو سردار بنائیں اور اُن کو وارث ٹھہرائیں)

فرقِ مقدس بڑا اور گول تھا جس سے سرداری نمایاں تھی اور آپؒ کی بلندیٔ مرتبت پر دلالت کرتا تھا۔

آپؒ کے سرِ مبارک میں یہ بات عام طور پر مشاہدہ کی گئی کہ اپنے جدِّ امجد حضور سرورِ عالم فخرِ بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرقِ اقدس کی طرح سب سے بلند رہتا تھا۔ ہزاروں اشخاص کے مجمع میں آپؒ ہی کا سرِ مبارک سب سے اونچا رہتا تھا۔ سرِ مبارک پر گھونگر والے بال تھے جو سنّتِ نبیؐ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے موافق تا بہ دوش یا تا بنا گوش رہتے تھے ؎

یہی سبب تھا جو زلفوں کو تھے بڑھائے ہُوئے
کہ آج سارے زمانے پہ ہیں وہ چھائے ہُوئے

پیشانی مبارک فراخ وکشادہ اور انوارِ خداوندی سے نورٌ علیٰ نُور تھی ؎

اے صبحِ سعادت زجبینِ تو ہویدا
ایں حسن چہ حسن ست تبارک وتعالیٰ

بھویں کسی قدر دراز اور محراب دار تھیں۔ پلکیں جُھکی ہوئی تھیں۔ آنکھیں بڑی بڑی حیا پرور نرگیں تھیں جو خدا بینی کے لیے وقف تھیں اور ہمیشہ نیچی رہتی تھیں۔ آنکھ اُٹھا کر کسی کو دیکھنے کی عادت شریف نہ تھی اگر حسنِ اتفاق سے کسی کی جانب نگاہ اُٹھ جاتی تھی تو وہ مدہوش ہو جاتا تھا اور زبانِ حال سے عرض کرتا تھا ؎

در دیدہ فگندی بمن از ناز نگاہے
قربان نگاہے تو شوم باز نگاہے

حضور کے جمالِ عدیم المثال کے روبرو زائرین کے ہوش بجا نہیں رہتے تھے اور اس کا تجربہ صرف مریدین ہی کو نہیں ہے بلکہ دیگر اصحاب کو بھی ہوا ہے مولانا محمد ناظم علی فصلی نائب مہتمم مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ تحریر فرماتے ہیں ؛

"مجھ کو بچپن سے لے کر تا زمانِ شباب بارہا خدمتِ عالی میں حاضری کی نوبت آئی لیکن نہ ہوش تھا نہ تمیز اور نہ یاد ہے کہ کیا کیا واقعات پیش آئے۔ سوائے اس کے کہ سامنے جا کر از خود رفتہ ہو جاتا تھا لیکن خدمتِ عالی میں حاضری کا بہت شوق تھا۔ حاجی صاحبؒ قبلہ کے جمال بالخصوص آنکھوں پر مجھے زیادہ فریفتگی تھی۔ چہرۂ انور کی طرح آپ کی پیشانِ مبارک کو بھی نظر جما کر دیکھنے کی کسی کو تاب نہیں تھی۔

حق

حضورِ انور کی آنکھیں جس قدر خوش نما اور حسن سے بھری ہوئی تھیں، اُسی طرح تاثیر میں بھی کشش مقناطیس کو مات کرتی تھیں۔ جاں نثاروں کا ہر وقت مجمع رہتا تھا۔ جس سے عجیب دل آویز منظر پیشِ نظر ہوتا اور بیساختہ منہ سے نکل جاتا تھا۔

کعبہ و بت خانے والے آکے قابو میں ترے

سر بسجدہ رہتے ہیں محرابِ ابرو میں ترے

بینی مبارک کسی قدر بلی ہوئی اور اونچی تھی۔ دہن مبارک متوسط تھا، نہ زیادہ کشادہ نہ تنگ۔ دونوں لب گلاب کی سی پنکھڑیاں، دندانِ مبارک صاف و شفاف نہ چھوٹے نہ بڑے موتیوں کی سی لڑی معلوم ہوتے تھے۔

دیتے ہیں آپؐ کے دندانِ مبارک سے مثال

سلکِ گوہر کی کہاں جاکے لڑی ہے تقدیر (جناب اسحٰق وارثیؒ)

خطِ لطیف بھرا ہوا تھا۔ ریش مبارک گنجان اور ایک مشت لمبی تھی جو زیرِ چہرۂ نورانی عجیب نظارۂ حسن پیش کرتی تھی۔ جس سے رعبِ جمال کے علاوہ حضورِ انورؒ کے مقدس اور بزرگ تر شرف و اقتدار پر جاں نثاری کی امنگ پیدا ہوتی تھی اور زبان و دل تصدیق کے ساتھ اقرار کرتے تھے کہ اے بادشاہِ حسن تو شمعِ عالم افروز ہے تو آفتابِ نیم روز ہے تیرے مقدس اور بزرگ چہرہ میں یوسفِ طیبہ کے حسنِ دلکش کی جھلک ہے۔

تیرے شرف پہ عزمِ قُم کا کیے ہوئے

پھرتی ہے رحل ہاتھ میں قرآں لیے ہوئے

گردن نہایت خوش نما اور اونچی تھی۔ دونوں شانے گول اور ہاتھ لانبے تھے۔ دونوں ہتھیلیاں گوشت سے بھری ہوئی۔ انگلیاں لمبی لمبی پتلی پتلی نہایت خوش اسلوبی سے مزین تھیں۔ ناخنِ پاک ہلالِ نو کا منظر دکھاتے تھے۔ دونوں ہاتھ دستگیریٔ خلق کا بیڑا اُٹھائے ہوئے تھے۔ جس سے بمصداقِ يَدُ اللهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ عقدہ کشائے وجود و عطا کی نسبت جاری تھی۔ دونوں کلائیوں میں شانِ یداللّٰہی نمایاں تھی۔ دست و بازو کی قوتِ کاملہ کو دیکھ کر آپؐ کے جدِّ اعلیٰ قوتِ بازوئے رسولِ خدا (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) جناب علی المرتضیٰؓ کی یاد تازہ تھی۔ ؏

آفریں بردست و بر بازوئے تو

سینہ صافی آئینہ کی طرح صاف تھا۔ جس میں آئینہ خداوندی محفوظ تھے ۔

زہد زاہد کو دل افگاروں کو الفت بخشی

جس کو سینہ سے لگایا اُسے نعمت بخشی (شیدا میاں وارثیؒ)

کمر شریف کسی قدر پتلی اور نازک تھی۔ پائے مبارک متوسط تھے۔ نہ بہت چھوٹے نہ بڑے۔ غرضیکہ تمام اعضائے لطیف نہایت متناسب و موزوں تھے اور ایک خاص شانِ حُسن رکھتے تھے۔ جن سے عالم پیری میں بھی خاص کشش و دلفریبی ظاہر ہوتی تھی ۔

از فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

حقیقتاً آپؒ کا حُسن وجمال بفحوائے اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ آئینہ جمالِ الٰہی تھا۔ حضورِ انورؒ کو دیکھ کر خدا کی یاد آتی تھی اور نظارۂ جمال عدیم المثال سے حبیبِ خدا کے حسن عالم افروز کا عکس قلوب میں پرتو فگن ہوتا تھا ع

حبیبِ خدا کا وارث علیؓ ہے

خود عشاق سر بکف نظر آتے تھے اور زبانِ حال سے یہ کہتے تھے ۔

دست از طلب ندارم تا کام من برآید

یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

جاں برلب ست دلِ حسرت کہ از لبانش

بگرفت ہیچ کامے جاں از بدن برآید

حضورِ انورؒ بوستانِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ایک تروتازہ پھول تھے اور جناب محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثنا کے جسمِ لطیف کی طرح حضورِ انورؒ کے جسمِ اطہر سے بھی خوشبو آتی تھی ۔

ہر گلے نو کہ شد چمن آرا

اثر رنگ فیضِ صحبتِ اوست

آپؒ کی ذاتِ بابرکات کی طرح آپؒ کا حُسن بھی لاجواب تھا ۔

حق

جان بکف خیل خریدار بہر سو جمعند
یوسفاؑ! رونقِ بازار تو سبحان اللہ (نظامؒ)

(   )

محبوبی و رنگینی ہے ہر جزوِ بدن تیری
سرشارِ محبت ہے خوشبوئے دہن تیری
غارت گرِ تمکیں ہے آشوبِ دل و دیں ہے
یہ طرزِ نکو تیرا یہ وضعِ حسن تیری
(حسرت موہانی)

۱۵-سال کی عمر شریف میں جب حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے تو حج کے بعد آپؒ نے احرام شریف نہیں اتارا اور یہ دربارِ خداوندی کا لباس ہمیشہ کے لیے زیبِ جسم فرما لیا اور اسی مقدس لباس کو زیبِ تن فرمائے ہوئے ہندوستان تشریف لائے۔ آپ سے پیشتر ہندوستان میں کسی درویش نے لباس میں یہ سادگی اور یکتائی اختیار نہیں کی تھی کہ ایک ہی کپڑا تمام بدن کے لیے کافی ہو اور لباس میں بھی شانِ عشق اور رنگِ توحید کی نکھری ہوئی جھلک نظر آئے اور یہ سادہ اور بے تکلف لباس بھی جسمِ لطیف پر نہایت محبوب نظر آتا تھا۔

حضورِ انورؒ کو قدیم طرز کے رنگ نہایت مرغوب تھے۔ زرد رنگ کا احرام زیادہ استعمال فرماتے تھے۔ حضورِ انورؒ کے لباسِ مبارک کی جو رنگت بھی ہوتی تھی وہ جسمِ لطیف پر نہایت خوش نما ہو جاتی تھی۔ مگر تین رنگ حضورؒ استعمال نہیں فرماتے تھے۔ یعنی سرخ۔ سیاہ اور سفید اور نہ ہی اِن رنگوں کے احرام پیش ہوتے تھے۔

زرد رنگ کے علاوہ ماشی عرف سبز کاہی سے بھی اظہارِ خوش نودی فرماتے تھے۔ وہ لباسِ اطہر کی بھینی بھینی خوش بو ایسی عجیب کیفیت پیدا کرتی تھی کہ دل بے قرار ہو جاتا اور بے ساختہ زبان سے نکل جاتا تھا۔

چشم پیدا کن کہ بینی آشکارا و نہاں
در لباس گل رخان رنگِ نبیؐ بوئے علیؓ

رنگ پیلا ہے عاشقی کا ؎

حق

صحابی و محدث حضرت ابنِ عمرؓ خطاب
بیاں کرتے کہ رنگ زرد پہنے شاہِ دیں آئے (سیرت شاہ وارثیؒ)

اللّٰھُمَّ صَلِّ علٰی محمّدٍ وّ علٰی اٰلِ محمّدٍ وّ بارِك وسَلِّم۔

محققین حضرات صوفیا نے بطور کلیہ فرمایا ہے کہ :

"اربابِ اہلِ طریقت کے لباس کا رنگ ان کی وارداتِ قلبی کے مناسبِ حال ہوتا ہے"

ہمارے آقا و مولا نے اپنے لباس کے لیے زرد رنگ پسند فرمایا کیونکہ آپؒ کا مسلک عشق تھا اور صرف عشق۔ اور یہ عشق ہی تو ہے جو فنا در فنا کا موجب ہوتا ہے اور وہ اہل فنا ہی تو ہیں جو مٹی کے اصل رنگ کو قبول کرتے ہیں۔ نیز مٹی، فنا اور عشق کے رنگ کو پسند فرمانا تو خون کا اثر تھا۔ جیسا کہ آپؒ کے جدّ نامدارؓ کو سرکار حضرت رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوتراب کی ممتاز کنیت مرحمت ہوئی اور بروایات حضور شیرِ خدا کو یہ کنیتی خطاب سب سے زیادہ پسند تھا لہٰذا وارثؒ ارثِ مرتضوی نے جدّ نامدار کی یہ سنت ادا فرمائی اور اپنے لباس کے واسطے مٹی کے حقیقی رنگ کو پسند فرمایا۔ نیز بالاترین کیفیات حضور اقدس۔ سرورِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ رنگ مبارک پسند تھا۔ کیونکہ صحیح بخاری کتاب اللباس میں ہے کہ حضرت عبید بن جریحؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ خطاب سے پوچھا کہ چار باتیں آپ ایسی کرتے ہیں جو دیگر صحابہ نہیں کرتے ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپؓ زرد رنگ استعمال کرتے ہیں۔ رأیتك تصبغ بالصّفرۃ۔

پس حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: امّا الصّفرۃ رایت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم یصبغ بھا۔ یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رنگ استعمال فرماتے دیکھا ہے

نیز ایک دوسری حدیث کے مضمون سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس رنگ اور اس وضع کا لباس اسی مرتاض اور صاحبِ تجرید کا ہوتا ہے جس کو ماسوائے اللہ انقطاع کامل ہو۔ چنانچہ یہی لباس حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا بھی تھا۔

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

حضور انورؒ کی صفتِ تنزیہی

یہ مثال بالکل صحیح ہے کہ آپؒ کا وجود سراپا محمود ایک آئینہ وحدت تھا۔ جس میں دوئی کا نام نہ تھا۔ جو روبرو آیا وہ حیرت زدہ ہو کر رنگِ وحدت میں مستغرق ہو گیا۔ یہ آپؒ کی بزمِ وحدت کا ادنیٰ کرشمہ تھا کہ خواہ کتنی ہی کثرت ہو مگر وحدتِ قلبی کے باعث سب ایک ہی خیال اور ایک ہی رنگ میں متحد نظر آتے تھے۔ جس طرح خدائے واحد نے نسبت توحید میں آپ کو ممتاز فرمایا اور بہ اعتبارِ حسن وجمال یکتا و بے نظیر بنایا اسی طرح جسدِ اطہر میں صفتِ تنزیہی بھی عطا فرمائی تھی کہ بعض اوقات جسمِ پاک محسوس نہیں ہوتا تھا۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپؒ نور ہی نور تھے۔ چنانچہ مولوی رونق علی صاحب وارثی الرزاقی پیپنے پوری تحریر فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد شاہ مقصود علی صاحبؒ اور حکیم رحمت علی صاحب پیپنے پوری جو حضورِ انورؒ کے ہم مکتب بھی تھے بیان فرماتے تھے کہ اکثر پائے مبارک دبانے کے وقت حضورِ انورؒ کا جسمِ اطہر محسوس نہیں ہوتا تھا۔

سیدنا معروفؒ شاہ صاحب قبلہ وارثی تحریر فرماتے ہیں کہ میری بڑی ہمشیرہ جو حضورِ انورؒ سے بیعت تھیں بیان فرماتی ہیں کہ اکثر ایسا اتفاق ہوا ہے کہ جب پائے مبارک دبانے کا ارادہ کیا جاتا تھا تو حضورِ انورؒ کے جسمِ لطیف کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ اِن کے اس بیان پر مَیں نے خود تجربہ کیا اور حضورِ انورؒ کے پائیں بستر پر سو رہا۔ چنانچہ مجھے بیشتر اوقات پاؤں دبانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اکثر یہ کیفیت میرے مشاہدہ میں آئی کہ جب پاؤں دبانے کی غرض سے حضورِ انورؒ کے پائیں بستر پر بیٹھا تو جسمِ اطہر بالکل محسوس نہیں ہوا۔ ہر طرف دیکھ بھال کر اپنے بستر پر آکر لیٹ گیا۔ تو حضورِ انورؒ نے فوراً آواز دی۔ "معروف شاہ سوتے ہو"۔ مَیں اس ارشاد پر فوراً بستر مبارک پر پہونچ جاتا اور پاؤں

دبانا شروع کر دیتا تو آپؒ مختلف مقامات کے واقعات ارشاد فرمانے لگ جاتے۔

حضورِ انورؒ کی کمر شریف سے پٹکا نکل گیا

"عین الیقین" میں تحریر ہے کہ ایک مرتبہ حضورِ انورؒ حافظ رمضان علی صاحبؒ کے مکان پر رونق افروز تھے۔ معتقدین کا مجمع تھا۔ حافظ صاحب موصوف نے بہ سبیلِ تذکرہ حضورِ انورؒ سے عرض کیا کہ سُنا ہے حضرت سید السادات شاہ عبدالرزاق بانسویؒ کی کمر شریف سے پٹکا نکل گیا تھا۔ مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔

آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ ہماری کمر میں مضبوط چادر باندھو۔ تعمیلِ ارشاد کی گئی اور چادر کو کھینچا گیا تو بندھا بندھایا پٹکا نکل آیا۔ اس پر تمام حاضرین متعجب ہوئے ؎

او در دلِ من است و دلِ من بدستِ اُو
چوں آئینہ بدستِ من و من در آئینہ

مولوی احمد حسین صاحب وارثیؒ متوطن رہرا مئو کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میرے مکان پر حضرت اقدس شاہ عبدالرزاق صاحب بانسویؒ کے اس خرقِ عادت کا ذکر ہو رہا تھا کہ آپؒ کی کمر مبارک سے پٹکا نکل گیا تھا کہ اثنائے ذکر میں حضورِ انورؒ میرے مکان کے اندر سے باہر تشریف لائے اور ان کے مشتبہ بیانات کو سُن کر ارشاد فرمایا کہ :

"یہ کیا ہرزہ سرائی ہے۔ عشاق کو اللہ کی طرف سے ہر حال میں ایک حال ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز سے اور ہر مخلوق سے جو چاہیں کرا دیں۔ تمام صفات عشقِ ذات میں فنا ہو جاتی ہیں اس میں گم ہو جانے ہی کو وصال کہتے ہیں اور خودی میں نہ رہنا ہی کمال ہے۔ عشاق جب اس درجہ پر پہنچتے ہیں تو اپنی ہستی کو نیست کر دیتے ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ جب آفتاب فلک پر نور افشاں ہوتا ہے تو سارے مخلوق کی نگاہ سے کالعدم ہو جاتے ہیں۔ جس طرح کواکب کا وجود آسمان پر ہے۔ اسی طرح عشاق کا وجود معشوق میں ہے۔"

بقولے۔ مَنْ کَانَ اللّٰہَ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ (ترجمہ : جو اللہ کا ہوا ، اللہ اُس کا ہُوا۔)

"عاشق و معشوق ایک ذات ہو جاتے ہیں۔ پس اس میں تعجب کی کون سی بات۔

ہے کہ وہ آفتابِ حقیقی تمام انوار و اوصافِ عشاق کو اپنے اندر جذب کر لے۔"

حضورِ انورؒ کے جسدِ اطہر یا صفتِ تنزیہی کے مشاہدات صرف مریدین عقیدت آگیں ہی کو نہیں ہوئے بلکہ دیگر سلاسل کے محترم اور واجب التعظیم بزرگوں نے بھی مشاہدے کیے ہیں۔

چنانچہ جناب مولانا شاہ نذیر الحسن صاحبؒ قبلہ فتح اللّٰہی۔ مسند آرائے ابرایاں ضلع فتح پور (یو۔پی۔انڈیا) جو فی زمانہ مشاہیر روزگار میں سے ہیں اپنے والا نامے میں تحریر فرماتے ہیں،

"حضرتِ وارث پاک علیہ الرحمۃ کی شان بہت ارفع و اعلیٰ تھی۔ استغراق توحید خرقِ عادت سے مستغنی ہے۔ صرف ایک واقعہ مشاہدہ میں آیا ہے اور وہی بہت کافی ہے ؎

الف بشکل ہزار ست و در شمار یکیست

خاص دیوی شریف میں مصافحہ کا اتفاق ہوا۔ بسنت کے ایام سب بسنتی پوش تھے۔ خود حضرت وارث پاکؒ بھی اسی رنگ میں تھے۔ وقت مصافحہ ان کا سیدھا ہاتھ فقیر کے دونوں ہاتھوں میں تھا حقیقتاً خود اپنے ہی ہاتھ تھے جو باہم ملے تھے۔ ان کا ہاتھ محسوس نہ ہوتا تھا۔ یہ کیفیت توجہ اتحادی یا نسبتِ توحید غالباً دو منٹ تک قائم رہی ؎

در میکدۂ وحدت جز فرد نمے گنجد

فقیر خوش وقت ہوا۔ یہ جو کچھ مشاہدہ میں آیا ہے۔ زبانِ قلم بیان سے عاجز ہے۔ آہ! اب ایسے نفوسِ قدسیہ کہاں۔ ؎

تہی خم خانہ ہا کردند رفتند "

اب کون بلاتا ہے اب کون پلاتا ہے

ساقی کے ہی دم تک تھی مے نوشوں کی مے نوشی

اِنَّا لِلّٰہِ ثُمَّ اِنَّا لِلّٰہِ

صورت از بے صورتی آید بروں

باز شد اِنَّا اِلَیْہِ راجعون

حضورِ انورؒ ہمیشہ پا برہنہ رہتے تھے مگر پائے مبارک میں گرد و غبار کا بالکل اثر نہیں ہوتا تھا۔ اکثر اصحاب کا بیان ہے کہ حضورِ انورؒ کے قدم میمنت لزوم زمین پر پڑتے ہوئے نظر نہیں آتے تھے۔

حضورِ انورؒ کے پائے مبارک کی یہ نفاست بے شمار افراد کی نگاہوں سے گزری ہے اور اکثر موقعوں پر چھڑکاؤ وغیرہ کرا کے لوگوں نے امتحان بھی کیے ہیں مگر ؏

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

چنانچہ منشی صمد مست خاں صاحب فضلی متوطن گنج مراد آباد ضلع اناؤ (یو۔پی، بھارت) اپنا چشم دید واقعہ لکھتے ہیں کہ گنج مراد آباد میں جس جس مکان میں آپؒ تشریف لاتے تھے وہاں محفل کے طریق پر فرش وغیرہ بچھایا جاتا تھا۔ خاص کر سفید چاندنی ضرور بچھتی تھی اور اس پر آپ نشست فرماتے تھے۔ آپ برہنہ پا ہوتے تھے مگر فرش یا چاندنی پر دھبہ نہیں آتا تھا۔

؎ با وحدتِ حق ز کثرتِ خلق چہ باک
صد جائے اگر گرہ زنی رشتہ یکیست

حضورِ اقدس سرکار وارث پاکؒ کی

پابندیٔ وضع و اندازِ تکلّم

وضع کی پابندی جیسی حضورِ انورؒ کی ذات محمود الصفّات میں دیکھی گئی ہے وہ دید ہے نہ شنید۔ جس سے ظاہر ہے کہ مزاجِ عالی میں اعلیٰ درجہ کا استقلال اور یکرنگی تھی۔ حقیقتاً یہ خاص جوہر ہیں جو مردانِ خدا ہی میں کمال کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جو بات ابتداء میں آپؒ سے سرزد ہوگئی وہ گویا وضع میں داخل ہوگئی۔ آخر زمانہ میں جب کہ ضعف و نقاہت کی وجہ سے آپ سفر نہیں فرماتے تھے اور آپؒ کے متمول مریدین و معتقدین حضورؒ کو خود جاکر لاتے تھے۔ اس شہر میں جہاں پہلی مرتبہ قیام فرمایا تھا وہیں قیام فرماتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ جس شہر یا قصبہ وغیرہ میں جس راستہ سے پہلی مرتبہ تشریف لے جاتے تھے بس وہی راستہ ہمیشہ کے لیے مخصوص ہو جاتا تھا۔ اگر زائرین کی کثرت یا آپؒ کے استغراق و محویت کے باعث راستہ بدل جاتا تھا تو یاد آتے ہی پلٹ آتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے کہ " ہمارا قدیم راستہ وہی ہے "۔

مولوی رونق علی صاحب وارثی الرزاقیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ موضع گورہ ضلع بارہ بنکی میں (جو دیوی شریف کے جنوب مشرق میں واقع ہے) آپؒ جب ابتدا میں تشریف لے گئے تھے تو راستہ میں ایک باغ تھا جس میں ایک درخت کے سایہ میں آرام فرمایا تھا۔ پندرہ سولہ سال کے بعد جب پھر موضع مذکور میں حضورِ انورؒ نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے شرف بخشا تو ضعف کے باعث پالکی میں تشریف رکھتے تھے اور جہاں زمانہ کے انقلاب نے اس باغ کا نشان بھی مٹا دیا تھا لیکن جس وقت اس مقام پر پالکی پہونچی جہاں وہ باغ تھا تو آپؒ نے فوراً پالکی رکوا دی اور اس میں سے اتر کر اسی مقام پر پہونچے جہاں زیرِ درخت آرام فرمایا تھا اور ہمراہیوں سے ارشاد فرمایا کہ " جب پہلی

مرتبہ اس راہ سے گزرے تھے تو یہاں ایک سایہ دار درخت تھا جو بہت اچھا تھا"۔ تھوڑی دیر وہاں سکون اور آرام فرمانے کے بعد آپؒ پالکی میں سوار ہوئے۔ آپؒ جس مکان میں یا جس سمت کو رُخ کرکے پہلی مرتبہ بیٹھے اُٹھے استراحت فرمائی۔ اسی طرح ہمیشہ عمل درآمد رہا اور ایک ہی وضع قائم رہی کبھی اس میں تغیر و تبدل نہیں ہُوا۔

جناب مولانا مولوی حاجی عابد حسین صاحب فتح پوری جو فی زمانہ اودھ میں مشہور و معروف بزرگ ہیں اپنے پیرو مرشد برحق مولٰنا شاہ نذیر علی صاحبؒ کے ہمراہ اکثر آیا کرتے تھے اور بعد وصال جناب ممدوح الشان بھی اپنی وضع پر قائم رہے، تحریر فرماتے ہیں کہ :

"حضرت مولٰنا و مرشدنا برحق شاہ نذیر علی صاحبؒ کے حصولِ قدم بوسی سے بہت قبل حالتِ طفولیت سے مجھے حضرتِ وارث پاکؒ کی زیارت کا اکثر موقعوں پر اتفاق ہُوا لیکن اس وقت سے رحلت کے وقت تک میں نے ان کو ایک ہی حال میں پایا کبھی کوئی تغیر نہیں دیکھا اور نہ کبھی کوئی خواہش دیکھی۔ آپؒ کا لباس طریقۂ اکل و شرب۔ نشست و استراحت۔ عادات و صفات سب میں پابندی وضع کا ظہور تھا۔"

بلکہ بعض ملفوظات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صفت آپؒ کی خاندانی تھی۔ چنانچہ اکثر یہ فرمایا ہے کہ :

"سیّد واڑے میں سب وضعدار تھے جو کہتے تھے وہ کرتے تھے"۔

یہ بھی فرمایا کہ :

"ہمارے خاندان میں ایسے پابند وضع تھے کہ چچا ہمارے والد صاحب سے ناراض ہو کر بریلی چلے گئے اور کہہ گئے کہ جب مرجاؤ گے تو آؤں گا وہی کیا کہ جب انتقال کی خبر سُنی تو آئے اور فاتحہ میں بہت روپیہ صرف کیا۔"

اسی مناسبت سے حضور قبلۂ عالمؒ نے اپنے غلاموں کو بھی پابندئ وضع کی ہدایت فرمائی اور جس خوش نصیب نے تعمیل کی اس سے آپؒ خوش ہُوئے جیسا کہ مولوی محمد یحیٰی صاحب وارثیؒ وکیل و رئیس عظیم آباد جن کو سرکار عالم پناہؒ نے وضعدار کا خطاب مرحمت فرمایا تھا کیونکہ مولوی صاحب موصوف نے جو طریقہ اختیار کیا تھا اس کے پابند رہے حتیٰ کہ میلہ کاتک میں جس تاریخ کو آئے جتنے پہلی مرتبہ،

اسی تاریخ کو ہمیشہ حاضر ہوتے رہے بلکہ ایک مرتبہ ان کو یہ دشواری پیش آئی کہ اُن کی لڑکی عارضہ ہیضہ میں مبتلا تھی اور تاریخ حاضری آگئی مولوی صاحب اس کو احتضار کی حالت میں چھوڑ کر دیوے شریف چلے گئے جس کے دوسرے روز مریضہ کے معالج ڈاکٹر اسد علی خاں صاحب کا تار آیا کہ لڑکی کا انتقال ہوگیا۔ جب یہ خبر حضور قبلہ عالم پناہؒ نے سنی تو مولوی صاحب کو بُلا کر فرمایا کہ:

"مولوی صاحب! تم نے تو اپنی وضعداری دکھا دی لیکن اکثر مریض کو سکتہ ہو جاتا ہے اور تیماردار یہ سمجھتے ہیں کہ مر گیا ہے۔"

اس وقت حاضرین نے اس کا خیال نہیں کیا کہ اس ارشاد کے پردے میں کیا تصرّف فرمایا گیا مگر تیسرے روز مولوی صاحب کے برادرِ نسبتی شمس العلماء نواب سید امداد امام صاحب کا خط آیا کہ چھ گھنٹہ کے بعد لڑکی زندہ ہوگئی اور اب اچھی طرح سے ہے۔ " تخرج الحی من المیت و یخرج المیت من الحی۔"

غرض ہم یہ سمجھتے تھے کہ وضع کی پابندی طاعات و عبادات میں داخل نہیں ہے بلکہ صفاتِ محمودہ میں سے یہ بھی ایک اخلاقی صفت ہے اور عموماً کریم النفس اور سلیم الطبع اشخاص اس صفت سے متصف ہُوا کرتے ہیں اور ہمیشہ اس صفت کا اپنے موقعہ پر اظہار ہوتا ہے۔

مگر دیکھا یہ کہ حضور قبلہ عالم کی پابندیٔ وضع بھی بعض ایسے طاعات جناب باری سے مملو تھی جس کا وہم و خیال بھی نہیں آسکتا کیونکہ بظاہر وضع کی پابندی کو ریاضت و مجاہدات سے کیا تعلق۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ہمارے سرکار عالم پناہؒ پابندیٔ وضع کے پردہ میں وہ کام کیا جو درحقیقت ناقابلِ برداشت مجاہدہ تھا۔

اندازِ تکلم

آپؒ کا اندازِ گفتگو نہایت دل فریب تھا۔ باتوں میں وہ حلاوت و شیرینی تھی کہ زبانِ قلب مدتوں چٹخارہ لیا کرتی تھی۔ خاموش بیٹھنے کی زیادہ عادت تھی۔ نگاہیں ہر وقت نیچی رہتیں۔ کبھی کلام فرماتے تو بہت مختصر الفاظ میں۔ بہت جلدی اور آہستہ آہستہ الفاظ کو تکرار کے ساتھ ادا کرنے کی عادت تھی یعنی جن الفاظ سے سامعین کو ہدایت یا مخاطب فرماتے ان کو مکرر ارشاد فرماتے۔ زبانِ مبارک میں کسی قدر لکنت تھی۔ باتیں بالکل معصوم بچوں کی طرح سیدھی سادی ہوتی تھیں اور سلسلۂ کلام اپنے

حد سے زیادہ اختصار کی وجہ سے مشتاقوں کو بے چین کر دیتا تھا۔

آپؒ باتوں باتوں میں بڑی بڑی عقدہ کشائیاں فرما دیتے اور بڑی بڑی الجھنیں سلجھا دیتے تھے

خاموشی پہ اِک شوکتِ شاہانہ جُدا تھی
باتوں میں دولئے دلِ دیوانہ جُدا تھی

آپؒ کی ہیبت و عظمت سے مرعوب ہونے کے باعث کسی کو سلسلۂ کلام چھیڑنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ خود ہی طبعِ لطیف کو متوجہ دیکھتے تو عرض کرتے تھے۔ کیونکہ قلوب کی حالت حضور کی نگاہ میں آئینہ رہتی تھی۔ ہنسی کی بات پر بھی زیرِ لب تبسّم فرماتے تھے اور تبسّم میں یہ انداز ہوتا تھا کہ دندان مبارک نہیں کھلتے تھے۔

ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ وقتِ تبسّم دستِ اطہر کو منہ پر رکھ لیتے تھے۔ آپؒ نے کبھی کسی قسم کی گفتگو کو طول نہیں دیا جو کچھ بھی زبانِ مبارک سے ارشاد فرماتے تھے وہ جامع و مانع الفاظ میں ہوتا تھا جو بڑے غور و خوض کے بعد یا کسی خاص واقعہ کے پیش آنے پر سمجھ میں آتے تھے۔

حضورِ انورؒ کے باطنی اوصاف کا تو ذکر ہی کیا ہے بظاہر حضور پُر نورؒ کی روزمرہ کی باتیں بھی عجیب و غریب تھیں جن کا سمجھنا ہمارے فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔ آپؒ کی گفتگو کہنے کو ایک بات ہوتی تھی۔ اس میں بھی ایک شان ہوتی تھی۔ "حیاتِ وارث" میں ایک واقعہ تحریر ہے کہ دربھنگا میں نواب صادق علی خاں کے مکان پر حضورِ انورؒ قیام پذیر تھے کہ مابین عصر و مغرب ایک عرب خدمتِ عالی میں حاضر ہوئے۔ آپؒ نے صرف اس قدر اُن سے فرمایا کہ مدنی صاحب کل آپ کی خاطر ہو جائے گی۔ دوسرے دن مریدین و معتقدین کا مجمع تھا کہ نواب انور علی خاں صاحب کے مکان سے برآمد ہوئے۔ وہ عرب صاحب بھی حاضر تھے۔ آپؒ نے ان کو ایک ٹکڑا احرام شریف کا عطا فرمایا جو آسمانی رنگ کے مالینہ کا تھا۔ عطا فرماتے وقت متبسم لہجہ میں ارشاد فرمایا کہ "لو یہ تمہارا حصّہ ہے"۔ عرب صاحب نے وہ ٹکڑا لے کر ایک دردناک آہ کی اور مضطرب و بے قرار ہو کر اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور ماہیِ بے آب کی طرح تڑپنے لگے۔ ان کی ایسی حالت سے حاضرین پر بھی ایک خاص کیفیت طاری تھی۔ مگر حضور متبسم لہجہ سے بار بار یہی ارشاد فرماتے تھے کہ "مدنی صاحب کو کیا ہو گیا" آخر جب بستر پر تشریف لائے تو عرب صاحب کو اسی حالتِ بے تابی میں بُلا کر لباسِ فقر یعنی تہبند مرحمت فرمایا۔ عرب شاہ ان کا نام رکھا اور یہ حکم دیا کہ

"صادق علی خاں کے بنگلہ میں رہا کرو" یہ بھی فرمایا "اگر دل گھبرائے تو مدینہ شریف چلے جانا۔ جمعہ کے روز ہم سے ملاقات ہُوا کرے گی" جس کو مدنی صاحب نے سمجھا ہوگا اور اس معمولی گفتگو کے پہلو میں کون سا ناوکِ دلدوز پنہاں تھا کہ مدنی صاحب نے آہِ سرد بھری اور بیتاب ہوگئے ؎

درونِ سینۂ من زخمِ بے نشان زدہ

بحیرتم کہ عجب تیرِ بے کمان زدہ

مولوی سیّد شرف الدین صاحب قبلہ وارثی (آنزایبل ممبر ایگزیکٹو کونسل بہار) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور انورؒ پٹنہ تشریف لائے اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ "تم میرے ساتھ دیویٰ شریف چلو"۔ خدا نے مجھے دو بچے دیے ہیں ایک بیٹا اور ایک بیٹی اس زمانہ میں دونوں چیچک میں مبتلا تھے۔ مَیں نے خیال کیا کہ بچّوں کو کس پر چھوڑوں، کیونکر جاؤں۔ حضورؒ نے بارہا فرمایا ہے "میری وجہ سے دنیا کو نہ چھوڑ تیری دنیا داری عبادت ہے"۔ چنانچہ مَیں اسی غرض سے خدمتِ عالی میں حاضر ہوا تھا کہ میرے بچوں کی یہ حالت ہے میرے لیے ارشاد ہو جائے تو میں نہ جاؤں۔ پہونچنے کے ساتھ ہی حضور پُر نورؒ نے خود بخود ایک قِصّہ کہنا شروع فرمایا جس کا مطلب یہ تھا کہ محبّت میں مال و دولت۔ ماں باپ۔ دین دنیا سب چھُوٹ جاتا ہے۔ اس کو ارشاد فرمانے کے بعد میری طرف مُڑ کر فرمایا کہ "بالسٹر میرے ساتھ چلتے ہو"۔ مَیں نے عرض کیا جی ہاں حضور اور بچّوں کو اسی حالت میں چھوڑ کر حضور کے ساتھ ہوگیا۔

میرے ہمراہ حکیم مبارک حسین صاحب بھی تھے (جن کا نام بعد میں عبدالآد شاہ ہوا اور حضور کے خاص فقراء میں گزرے ہیں) مَیں نے حضورِ انورؒ سے عرض کیا کہ حکیم صاحب میرے قریبی رشتہ میں بھائی ہیں اور بڑے سیّاح ہیں۔ حضورِ انورؒ نے حکیم صاحب سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ "حکیم جی جتنا تم گاؤزبان و بنفشہ کو یاد رکھتے ہو اس قدر مجھے بھی رکھا کرو"۔ مَیں نہیں کہہ سکتا کہ اس کلام میں کیا تاثیر بھری تھی اور ادائے خاص سے فرمایا تھا کہ حکیم صاحب بھی مرضِ عشق میں مبتلا ہوگئے ان کی عجیب حالت ہوئی اور بھی میرے ہمراہ حضورِ انورؒ کے ساتھ چلنے کو تیار ہوگئے۔

حضور پر نورؒ کے الفاظ میں عجیب تاثیر ہوتی تھی اور عقل کام نہیں کرتی تھی۔ مشاہدات کا منظر بھی الفاظ میں دکھایا جاتا تھا۔ چنانچہ خان بہادر مولوی محمد باقر خاں صاحب وارثی (پنشنر ڈپٹی کلکٹر رائے بریلی) جو ایک متشرع بزرگ تھے، بیان فرماتے ہیں کہ مَیں ایک مرتبہ بارگاہِ وارثی میں حاضر تھا۔ مَیں نے دیکھا

کہ ایک ہندو سادھو نہایت ریاضت سے پیکرپا کرتا ہُوا مسافت طے کرتا ہوا خدمتِ عالی میں حاضر ہُوا اور اس نے اپنے مذہبی قاعدہ سے ڈنڈوت کی، قدم چُومے اور خاموش کھڑا ہو گیا۔ غالباً یہ اس قدر محنت کر کے کسی خاص غرض سے آیا تھا۔ خادم نے ایک شخص کو اشارہ کیا کہ ان کو سیدھا دلا دو۔ اس سادھو نے کہا مَیں سیدھا لینے کے لیے اتنی محنت کر کے نہیں آیا ہوں۔ میرا مقصد پُورا ہونا چاہیے۔ حضورِ انور نے اس کی طرف دیکھ کر صرف اتنا ارشاد فرمایا، "اچھا جاؤ" وہ سادھو یہ دو مختصر الفاظ سُن کر اس قدر شاد و مسرور ہوا کہ جوشِ انبساط سے اچھلنے کودنے لگا اور چلا گیا۔

حاضرین کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ یہ کیا معاملہ ہے اور ان الفاظ میں کیا رازِ حقیقت پوشیدہ ہے جس کا ایسا برقی اثر ہُوا کہ اس نے بے اختیاری اور نہایت مسرت آمیز انداز سے اپنی کامیابی کا اظہار کیا۔ آپ کے کلام میں یہ خاص صفت تھی کہ گو بظاہر مختصر ہوتا تھا مگر بہ اعتبار معنی کے نہایت وسعت اور جامعیت رکھتا تھا اور مخاطب کے لیے نہایت سہل ہوتا تھا اور سامعین کے فہم و ادراک حضورِ انور کے ارشادات طیبات کی حقیقت تک پہنچنے سے قاصر و معذور رہتے تھے۔ چنانچہ حقیقت مآب مولوی سید عنی حیدر صاحب وارثی (وکیل و رئیس گیا) تحریر فرماتے ہیں کہ جناب مولانا مولوی سید محمد کریم رضا صاحب چشتی نظامی اشرفی درویشی (متوطن بیتھو ضلع گیا) جو نہایت جلیل القدر بزرگ ہیں اور اس دیار کے علمائے دین کی جماعت میں نہایت مستند شمار کیے جاتے ہیں اور جن کے شاگردوں میں اس وقت اکثر علماء سربرآوردہ اور مقتدر ہیں، کمال شرع شریف سنتِ نبوی ہیں۔ صاحب اجازت و خلافت بھی ہیں مگر اوائل زندگانی میں بزمانہ شغل تعلیم و تعلم مولانا کو بظاہر تصوّف کی جانب رجحان نہ تھا (یا چنداں میلان نہ تھا) مگر شریعت میں بڑے استوار اور سخت تھے اور روح و بطونِ شریعت کی جانب جو طریقت سے تعبیر کی جاتی ہے مولوی صاحب ملتفت نہ تھے۔ مولوی صاحب طلبہ کو درس دیا کرتے تھے۔ یکایک انہوں نے اس درس و تدریس سے قطع تعلق کر لیا اور کچھ عرصہ مکان میں بے شغل معتکف رہے اس کے بعد مولوی صاحب نے بریلی جانے کا قصد کیا۔ اس زمانہ میں ہم لوگوں کا دیویٰ شریف جانے کا ارادہ ہو گیا اور اتفاق وقت سے سفر میں مولوی صاحب کا ساتھ ہو گیا اور مولوی صاحب ہم سب لوگوں کی خاطر سے بارہ بنکی اسٹیشن پر اُتر پڑے اور ہماری معیت میں دیویٰ شریف بھی گئے ہمارے ساتھ قیام فرمایا مگر دو دن تک بارگاہِ وارثی میں نہیں گئے بلکہ باہر باہر رہے۔ دوسرے یا تیسرے

روز انہوں نے بھی اپنی خواہش قریب مغرب مجھ سے ظاہر فرمائی کہ ہم بھی ملنا چاہتے ہیں۔ آپ کے ساتھ چلیں تو بہتر ہے۔ مَیں نے عرض کیا کہ بسر و چشم حاضر ہوں۔ بعد نماز مغرب مَیں مولوی صاحب کو لے کر حاضرِ خدمتِ عالی ہُوا۔ حضورِ انورؒ اس وقت بستر پر آرام فرما رہے تھے۔ پچھم کی طرف سرِ اقدس تھا۔ پُورب کی جانب پائے مُبارک تھے اور داہنی کروٹ حسبِ معمُول لیٹے ہوئے تھے۔ مَیں سامنے حاضر ہُوا اور میری داہنی جانب پہلو بہ پہلو مولوی صاحب تھے مَیں دست بوس ہُوا۔ مجھے یاد نہیں کہ مولوی صاحب نے بھی مراسم تسلیم ادا کیے یا نہیں۔ مَیں نے مولوی صاحب کی نسبت عرض کیا کہ حضور کی زیارت کو آئے ہیں آپؒ فوراً اُٹھ کر بیٹھ گئے اور جو طریقہ نشست کا دونوں کفِ پا پر تھا اسی طرح نشست فرما کر مولوی صاحب کی طرف خطاب کر کے فرمایا، "مولوی صاحب، مولوی صاحب ہم تو کتابیں بھول بھلائے گئے"۔ مَیں نے عرض کیا، مولوی صاحب بھی بھُول رہے ہیں۔ حضورؒ نے پھر مولوی صاحب کی طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا، " الكلمة لفظ وضع المعنی مفرد " آپ نے پڑھا ہے نا ہم تو بھُول بھلائے گئے" پھر ارشاد فرمایا، " مولوی صاحب اِنَّ اللهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صورته ہے نہ بس دیکھا کرو" یہ فرما کر لیٹ رہے اور ارشاد فرمایا کہ " اچھا پھر ملاقات ہوگی"۔ جناب مولوی صاحب غنی حیدر صاحب قبلہ کا بیان ہے کہ جس وقت حضورِ انورؒ نے اِنَّ الله خلق آدم علٰی صورته فرمایا اس وقت مولوی صاحب کی جانب نظر بھی فرمائی تھی اور مجھ کو معلوم ہوتا تھا کہ اس وقت مولوی صاحب پر کچھ کیفیت طاری ہے اس کے بعد بارگاہ عالی سے رخصت ہو کر جب باہر آئے تو مولوی صاحب کے چہرہ اور بشرہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حیرت اور خوشی ملی ہوئی ہے۔ مولوی صاحب سے مَیں نے کچھ دریافت کرنا چاہا تو اُنہوں نے فرمایا کہ اس کی کیفیت پھر بتائیں گے۔ جب جائے قیام پر پہنچے تو مولوی صاحب نے فرمایا: جب ہم طلبہ کو درس دیتے تھے تو ایک طالب علم کے سبق میں یہ حدیث آئی۔ اُس نے سوال کیا کہ خدا کی کوئی صورت نہیں پھر یہاں صورت کے کیا معنی ہیں اور اس کا مفہوم کیا ہے۔ مَیں نے جو کچھ پہلے طلبہ کو بتایا تھا وہی اس کو بھی بتایا مگر اس کی تشفی نہ ہوئی اور وہ برابر روزانہ پوچھتا رہا۔ مجھ کو خود بھی اپنے معنی بیان کرنے پر تشفی نہ تھی اس لیے چکر میں رہا اور بہت زمانہ تک اِدھر اُدھر کتابیں پلٹتا رہا کہ معنی حقیقی دریافت کروں لیکن جب پتہ نہ چلا تو دِل چھُوٹا اور درس و تدریس کی طرف سے طبیعت ہٹ گئی اور سوچا کہ ایسے پڑھنے پڑھانے سے فائدہ کیا ہے جب حقیقی معنی ایسی چیزوں کے

سمجھ میں نہ آئیں۔ آج تک تلاش و جستجو ہی رہی کہ صورت کیسی ہے اور صورت کے معنی کیا ہیں۔ الحمدللہ کہ اتنے زمانے کی الجھن تھی جس کو آج وارثِ عالم پناہؒ نے حل فرما دیا۔ بالآخر ہم لوگ مکان پر واپس ہوئے اور مولوی صاحب شاہجہاں پور۔ بریلی۔ دہلی، آگرہ وغیرہ گئے پھر اجمیر شریف پہونچے تو کئی برس وہاں قیام رہا بعدازاں حضرت سلطان المشائخ محبوبِ الٰہی کے حضور میں حاضر ہوئے اور اب دہلی میں قیام ہے۔ آزاد فقیر جس کو کہتے ہیں وہی ہیں۔ اب دوسرا ہی عالم ہے ؎

ببیں تفاوتِ رَہ از کجاست تا بہ کجا

حق تو یہ ہے کہ حضور پرنورؒ کے الفاظ مشاہدہ پیش کر دیتے تھے۔

جس طرح حضورِ انورؒ کا اندازِ تکلم ایک خاص شان رکھتا تھا اور اس میں حسنِ کلام کی دلفریبیاں مشاہدات قدرت کی نیرنگیاں مضمر ہوتی تھیں۔ اس طرح آپ کا وہ مذاقِ تکلم جو بظاہر علومِ ظاہر پہ مبنی ہے خاص انداز رکھتا تھا جس سے بڑے بڑے علماء متاثر ہو جاتے تھے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضورِ انورؒ کے اندازِ تکلم کی وہ شان بھی دکھائی جائے جس سے علاوہ حضور پرنورؒ کی روحانی تاثیرات کے علومِ ظاہر کی معلومات بھی مستحق ہے۔ یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اگرچہ آپؒ کے لیے تعلیمِ علومِ ظاہری میں پورا اہتمام کیا گیا تھا مگر آپ نے کامل طور پر اس طرف توجہ نہیں فرمائی۔ یہ ضرور ہے کہ حضور کی خداداد ذہانت کے کرشمے جو زمانۂ تعلیم میں ظہور پذیر ہوئے حیرت انگیز ہیں لیکن حضورِ انورؒ کو اس طرف کوئی خاص رجحان نہ تھا اور دل جو گذرگاہِ جلیل اکبر ہے کچھ اور ہی تعلیم دیتا تھا جس سے متاثر ہو کر حضورؒ نے تعلیمِ علومِ ظاہری کو زمانۂ طفولیت ہی میں خیرباد کہہ دیا تھا۔

عقل کو کچھ نہ ملا علم میں حیرت کے سوا
دل کو بھایا نہ کوئی رنگ محبت کے سوا

اور یہ بات روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو گئی کہ حضورِ انورؒ بہ اعتبارِ علم و فضل بھی فردِ روزگار تھے۔ کسی علم میں حضورِ انورؒ کو خاموش نہیں دیکھا گیا۔ اپنی زبان اُردو کے علاوہ دیگر زبانوں میں بھی حضورِ انورؒ نے اہلِ زبان سے گفتگو فرمائی ہے۔ حضورِ انورؒ کی خدمتِ عالی میں حافظ، قاری، عالم سب ہی آتے تھے اور حضورِ انورؒ انہیں کے مذاق کے موافق اُن سے گفتگو فرماتے تھے۔ اگرچہ حضورِ انورؒ کے مشاغل میں علاوہ تلاوتِ قرآن شریف۔ مثنوی مولانا روم اور ملک محمد جائسیؒ کی پدماوت اور ہنس جواہر کا مطالعہ زیادہ تر دیکھا گیا ہے۔

حق

مگر اکثر اوقات کی گفتگو سے مترشح ہوتا تھا کہ حضورِ انورؒ تمامی علوم و فنون کے ماہر کامل تھے۔ علم القرآن میں حضورِ انورؒ کو خاص عبور حاصل تھا۔ ساتوں قراءتوں سے حضورِ انورؒ کلامِ پاک کی تلاوت فرماتے تھے۔ جب کوئی قاری آتا تھا تو حضورِ انورؒ مختلف قراءتوں کے نکات سمجھاتے تھے۔ تراجم کے فرق ارشاد فرماتے تھے اور حضورِ انورؒ کو مدنی اور مصری قراءتوں کا خاص ملکہ تھا۔ آیات کلامِ پاک کی تفسیر فرماتے۔ اور رموز و نکات سمجھاتے تھے۔ حضورِ پاکؒ کو کلامِ پاک اتنا اچھا یاد تھا کہ بڑے بڑے حافظوں کو حضورِ انورؒ نے لقمہ دیا ہے مگر حضورِ انورؒ ناظرہ خوانی کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔ مثنوی شریف اور پدمادت کے اشعار کی تشریح فرماتے تھے اور ان کے رموز و نکات بیان کرتے تھے۔ مولانا سید عبدالغنی صاحب قبلہ وارثی (مترجم طبقات الکبریٰ وغیرہ) تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ زمانہ قیام ٹپچی میں حضورِ انورؒ صبح کے وقت مثنوی شریف طلب فرماتے تھے اور حاضرین میں سے جس کے حسبِ حال جو شعر ہوتا اسی کی مخاطب ہو کر اس کے معنی بیان فرماتے تھے۔ یہ بھی حضورِ انورؒ کی شانِ تکلم تھی کہ مثنوی شریف کے اشعار سے حسبِ حال تعلیم ہوتی تھی۔ تصوف میں انہیں کتابوں سے حضور کو زیادہ ربط تھا۔ حضورِ انورؒ کو قرآن شریف کا خاص ملکہ تھا۔ ابتداءً جب حضورِ انورؒ کے جسمِ لطیف پر آثارِ ضعفِ پیری نمودار نہیں ہوئے تھے اور حضورِ انورؒ محافلِ میلاد شریف وغیرہ میں زیادہ شرکت فرماتے تھے۔ تو حضورِ انورؒ کو پنج آیت کا بہت شوق تھا۔ بعد ختم میلاد شریف پنج آیت پڑھنے کے لیے حکم ہوتا اور خود بھی پڑھتے تھے۔ ابتدا میں روزانہ پورا کلامِ مجید ختم فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ حالتِ سفر میں بھی ایک کوس میں تین پارہ کلامِ پاک کی تلاوت فرماتے تھے اور دس کوس میں پورا کلامِ مجید ختم فرما دیتے تھے۔ شکوہ آباد وغیرہ میں جہاں حضورِ انورؒ کی زیادہ آمد و رفت تھی۔ وہاں کے حفاظ اور معلم اپنے اپنے شاگردوں کو لے کر خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ طلبہ کے والدین اور اساتذہ کی تمنا ہوتی تھی کہ ختمِ کلامِ پاک حضورِ انورؒ کے سامنے ہو۔ لوگوں کا عقیدہ راسخ تھا کہ حضورِ پُرنورؒ کے سامنے جس کے ختمِ قرآنِ پاک کی رسم ادا ہوتی ہے۔ اُس کے ذوق و شوق میں کمی نہیں ہوتی اور بھولتا نہیں۔ بزرگانِ شکوہ آباد کا بیان ہے کہ جب آپؒ شکوہ آباد تشریف لاتے تھے تو خود بھی حفاظ و معلمین سے دریافت فرماتے تھے کہ کتنے لڑکے حافظ و ناظرہ خواں تیار ہوئے۔ حضورِ انورؒ کے علم القرآن کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ چوہدری لطافت حسین صاحب رئیس والدانہ ضلع سیتا پور کے مکان پر حضورِ پُرنورؒ قیام پذیر تھے۔

اور مولوی عبد الصمد صاحب جو مدرسہ دیو بند کے تعلیم یافتہ تھے کسی ضرورت سے وہاں آگئے۔ مولوی صاحب موصوف ایک شخص سے رسُولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم کی بے مثالی میں کلام کرنے لگے اور آیۃ شریفہ " لقد جاءکم رسول من انفُسکم " کا حوالہ دیا۔ جب یہ واقعہ حضور انورؒ نے سُنا تو مولوی صاحب سے ارشاد فرمایا کہ اس آیت پاک کی قرارت یہ بھی ہے لقد جاءکم رسول من اَنفَسکم لہٰذا اگر "فا" کو بالفتح (ے) پڑھیے تو اس آیت کے معنی خلاف مقصود آپ کے ہوں گے اور یہی آیت آپ کے دعوے کے بطلان کے لیے کافی ہوگی۔

مولانا عبد الرحیم جو دہریہ مشہور تھے۔ اُن کا واقعہ ہے کہ حضورِ انورؒ کے زمانۂ قیام جون پور میں وہ معہ اپنے شاگرد مولوی ریاض الرحمٰن صاحب کے خدمتِ عالی میں حاضر ہوئے اور بطورِ سوال عرض کیا کہ اگر ابلیس نے غیر خدا کے سجدہ سے انکار کیا تو قصور کیا، بجائے موحّد کہنے کے اس کو شیطان اور ملعون کیوں کہتے ہیں۔ حضورِ انورؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ" مولوی صاحب موحّدین تو شیطان و رحمٰن میں فرق نہیں کرتے اور عشاق شیطان کو بُرا نہیں کہتے۔ بلکہ واقعہ ابلیس خاص قسم کا ایک سبق ہے۔ لیکن شریعت کی رو سے ابلیس نے یہ غلطی ضرور کی کہ آدمؑ کو غیر سمجھا۔ خلق آدم علی صورتہٖ کا خیال نہ کیا۔ مولوی صاحب یہ سنکر مکیف ہوئے اور اطاعتِ وارثی کا اقرار کیا۔

حضور انورؒ مناظرہ پسند نہیں فرماتے تھے۔ مگر اکثر اربابِ علم ظاہر اس غرض سے بھی حاضرِ خدمت عالی ہوئے ہیں اور حضورِ انورؒ نے ازراہِ خلق محمّدی ان کو منع نہیں فرمایا۔ بلکہ ان کی تسلی فرمادی۔ جس سے وہ یا تو ساکت ہو کر داخلِ سلسلہ عالیہ ہوگئے اور اگر قسمت نے یاوری نہ کی تو اپنی مخالفت کے باعث پشیمان ہوئے۔ اور ان کو بات کرنے کی جرات تک نہ ہوئی۔

منشی عبد الغنی صاحب قبلہ وارثی رئیس اپردہ عبد الغنی خاں ضلع رائے بریلی لکھتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ دیوٰی شریف میں حاضر تھا۔ اور اکثر خدامِ حاضر باش موجود تھے کہ حضورِ انورؒ کی خدمت میں ۸ یا ۹ بجے صبح کے وقت ایک عالم صاحب آئے جو پنجاب کے رہنے والے تھے۔ ان کے ہمراہ پچیس تیس طالب علم بھی تھے جو انہیں کے شاگرد تھے۔ عالم صاحب نے آتے ہی بغیر کسی تمہید کے اپنے علم کے زعم میں یہ سوال کیا کہ آپؒ نے علم ظاہری کچھ کیوں نہ حاصل کیا کہ مسائلِ شریعت سے آگاہی ہوتی۔ حضورِ انورؒ نے فرمایا:" مولوی صاحب اس علم کا فائدہ یہی ہے نا کہ شکم سیر ہو کر

حق

رزق مل جائے اور نفس کو سرور ہو۔ جس خداوندِ کریم میں صفت رزاقی موجود ہے۔ اُس کا نام رزاق بھی ہے۔ اس نامِ پاک پر جس کو تصدیق ہو جائے۔ اس کو ان علوم کی کیا حاجت ہے صرف اِس کے ایک نام سے سب کام نکل سکتے ہیں پس مَیں اُس کی صفتِ رزاقی پر ایمان رکھتا ہُوں اور سب کو بے کار و بے فائدہ سمجھ کر چھوڑ دیا اور مولوی صاحب علم وہی حاصل کرنا چاہیے جو مرنے کے وقت کام آئے اور وقتِ موت کلمہ زبان سے نکلے۔ اگر کلمہ زبان سے ادا نہ ہو سکا تو علم کس کام آیا" اس ارشاد پر مولوی صاحب نے کہا: "مَیں علمِ عربی و فارسی، فلسفہ و منطق، حدیث، تفسیر و فقہ سب سے باخبر ہوں۔ کیا میرے مرنے کے وقت کلمہ زبان سے نہ نکلے گا؟" حضورِ انورؒ نے ارشاد فرمایا:

"کچھ بعید نہیں۔ آپ نے اکثر سنا ہو گا کہ دو تین دن پہلے سے بعض مریضوں کا منہ بند ہو جاتا ہے زبان لوٹ جاتی ہے۔" مولوی صاحب نے کہا:

"جس کا دہن بند ہو جائے گا وہ زبان کے اشارہ سے کہے گا۔ زبان بھی بند ہو جائے گی تو دل سے کہے گا۔" حضورِ انورؒ نے فرمایا:

"اکثر لوگوں کا دِل پلٹ جاتا ہے۔ دیوانوں کی طرح حرکتیں کرتے ہیں۔ بعض پر ایسا سکوت طاری ہوتا ہے کہ وہ بے حس و حرکت ہو جاتے ہیں۔ موت کا خوف ان کے حواسِ خمسہ کو غارت کر دیتا ہے اور دِل بغیر امداد و حواس مطلق جنبش نہیں کر سکتا۔ جب حواس متغیر ہیں تو دل کی یکسوئی کہاں۔"

یہ ارشاد حضورِ انورؒ کا سنتے ہی مولوی صاحب کی حالت میں تغیر پیدا ہُوا اور انہوں نے عمامہ سر سے اتار کر پھینک دیا اور حضورِ انورؒ کے پائے مبارک پر سر رکھ دیا اور کہنے لگے کہ بخدا جو سنتا تھا تھا اس سے زیادہ پایا۔ مَیں حضورِ انورؒ کے سامنے محض اُمّی ہُوں۔ برائے خدا مجھے شرفِ غلامی سے سرفرازی بخشیں۔ اس وقت ظاہری ہی نہیں میری باطنی حالت میں بھی تغیر ہے۔ میرا دل گھبرا رہا ہے کہ مبادا یہیں دم واپسیں نہ ہو۔ مولوی صاحب شرفِ بیعت سے مستفید ہوئے اور ساتھ ہی لباسِ فقر کی خواہش کی۔ حضورِ انورؒ نے احرام عطا فرمایا اور مولوی صاحب کو فقیہ سے فقیر بنا دیا۔

مولوی صاحب نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ میرے اعزہ و احباب سے کہہ دینا کہ صبر کریں اب دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ میرے قلب کی حالت پلٹ گئی۔ مولوی صاحب کے ساتھ ان کے تین شاگردوں نے بھی لباسِ فقر زیبِ تن کیا۔ بقیہ شاگرد واپس چلے گئے۔

اکثر ایسا بھی ہُوا ہے کہ کوئی صاحب مناظرہ کی غرض سے تشریف لائے مگر ہیبتِ حق سے کوئی بات ہی زبان سے ادا نہ کرسکے۔

حضورِ وارث پاک علیہ الرحمۃ ــــــ انوارِ گفتار

حضورِ انورؒ کے ارشادات میں اشارات زیادہ ہوتے تھے "جیسے خدا مالک ہے"۔ "خدا میں سب قدرت ہے"۔ " لَا تقنطوا من رحمۃ اللّٰہ " اور اسی طرح کے اشارات آمیز کلمات زبانِ مبارک سے ادا ہوتے تھے۔ جن سے مصیبت زدوں کو اپنی کامیابی کا یقین ہو جاتا تھا۔ حضورِ انورؒ کے گفتار میں ایک خاص بات یہ تھی کہ جس سے مخاطب ہوتے تھے اس پر کچھ اور اثر ہوتا تھا اور دیگر سامعین پر اور حالت طاری ہوتی تھی اور وہی الفاظ جب باہر آکر بیان میں آتے تھے تو کچھ اور کیفیت محسوس ہُوا کرتی تھی۔ حضور انورؒ دو لفظوں میں بڑی بڑی گتھیاں سلجھاتے تھے ہر ایک بات حقیقت پر مبنی ہوتی تھی۔ مسائل وغیرہ پر بحث نہیں فرماتے تھے۔ مولانا شاہ ابو محمد علی حسن صاحب اشرفی الجیلانی تحریر فرماتے ہیں کہ مجھ سے شاہ عبدالرحمٰن دہلوی خلیفہ حضرت اخوند صاحب رحمۃ اللّٰہ علیہ نے فرمایا کہ مَیں حضرتِ وارث پاک رح کی ملاقات کو گیا اور مَیں نے کچھ مسائل توحید دریافت کیے تو آپؒ نے فرمایا کہ "جس پر سِرِّ توحید منکشف ہوتا ہے وہ جانتا ہے زبان سے اس راز کا ادا ہونا مشکل ہے۔" اس ارشاد سے صاف ظاہر ہے کہ حضورِ پُرنورؒ بالتفصیل کوئی مسئلہ نہیں سمجھاتے تھے بلکہ مختصر طور پر جواب دے دیتے تھے اور اُسی جواب میں تشفی ہو جاتی تھی۔ حضورِ انورؒ کے الفاظ حقیقت میں اپنی بے نظیر تاثیر میں لاجواب ہوتے تھے۔ مولانا حکیم سید علی نقی شاہ صاحب (جو خاندانِ نقشبندیہ میں صاحبِ سند وخلافت بزرگ ہیں) تحریر فرماتے ہیں کہ :

> "ایک دفعہ حضرتِ اقدسؒ فتح پور بسواں میں قیام فرما تھے۔ مولانا نیاز احمد صاحب جمعہ کے روز مسجد میں سخت الفاظ میں ذکر کر رہے تھے کہ یکایک حضورِ انورؒ مسجد میں آ گئے اور صرف اس قدر زبانِ مبارک سے فرمایا کہ " مولوی صاحب! آپ اپنی بتا چکے میں تو اپنے دکھ درد میں پھنسا ہُوں "۔ اس کلام سے مولانا چیخ مار مار کر رونے لگے اور تمام حاضرین روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔"

حضورِ انورؒ کے تاثیرِ کلام کے یہ ادنیٰ کرشمے تھے کہ محفل اور مخاطب پر فوری اثر ہوتا تھا حالانکہ بظاہر

حق

وہ بالکل معمولی جملے ہوتے تھے۔ آپؒ کے الفاظ میں یہ بات بھی ہوتی تھی کہ بعض اشارات کا مطلب مخاطب کی سمجھ میں فوراً نہیں آتا تھا مگر وہ خاموش ہو جاتا تھا اور سمجھ جاتا تھا کہ حضورِ انورؒ ہی اس کے سمجھانے میں مدد فرمائیں گے۔

اکثر حضور پُر نورؒ آیندہ کی بابت اس طرح ارشاد فرماتے تھے جس طرح کوئی استفسار کیا جاتا ہے جس کی مثال کے لیے جناب مولانا مولوی سید عبدالغنی صاحب قبلہ وارثی بہاری مددگار صدر محاسب سرکارِ عالی حیدر آباد دکن کا واقعہ ہی درج کر دینا کافی ہے۔

زمانہ قیام بلچھی میں حضورِ انورؒ نے مولانا سے ارشاد فرمایا کہ "عبدالغنی تمہاری ترقی ہو گئی؟" مولانا چونکہ اس وقت حضور پر نورؒ کے طرزِ کلام سے واقف نہیں تھے اس لیے سادگی سے جواب دیا کہ "حضور حضور"... حضورِ انورؒ خاموش ہو گئے۔ مولانا ممدوح فرماتے ہیں کہ جب میں ۱۸۹۱ء میں وطن سے مرید ہونے کے بعد حیدرآباد دکن پہنچا تو بغیر کسی کوشش کے بے شان و گمان میری تنخواہ دو سو سے سوا تین سو روپیہ ماہوار ہو گئی اور یہی تنخواہ دس بارہ سال تک رہی لیکن جس محکمہ میں میری تعیناتی تھی وہ عارضی تھا اور اس کا کام عنقریب ختم ہونے والا تھا اور اس بات کا بہت اندیشہ تھا کہ مجھے دوسرے محکمہ میں جگہ نہ ملے اور میں تخفیف میں آجاؤں۔ اُسی زمانہ میں وطن جانے کے لیے میں نے رخصت لی اور ارادہ کیا کہ حضور پُر نور کے قدم بوس ہوتا ہوا وطن جاؤں۔ میں آستانہ فیض نشان پر پہنچا اور بعد اطلاع جب شرفِ باریابی حاصل ہوا تو پھر سوال کے لہجہ میں ارشاد عالی ہوا کہ "عبدالغنی تم نوکر ہو نا!" میں نے جواباً عرض کیا کہ "حضور نوکر ہوں"۔ وطن سے واپس آکر غیر مترقب طور پر ایسے اسباب غیب سے پیدا ہو گئے کہ میں دوسرے محکمہ میں چلا گیا اور چند مہینہ وہاں کام کرنے کے بعد میری تنخواہ سوا تین سے پانچ سو روپیہ ہو گئی اور اب بتدریج میری مستقل تنخواہ سات سو روپیہ ماہوار اور قائمقامی کی حیثیت سے آٹھ سو روپیہ ہیں۔ یہ حضورِ انورؒ ہی کا صدقہ ہے۔

حضورِ انورؒ کے ارشادات میں خاص شانیں تھیں اور عرض حاجت کی ضرورت نہ تھی۔ دربارِ عالی میں پہونچتے ہی مشکلیں حل ہو جاتی تھیں۔ حضور پُر نور کی خاموشی میں بھی شانِ تکلم نمودار تھی۔ بعض اوقات سائل کا سوال ہی اس کے لیے جواب ہو جاتا تھا۔ ٹھاکر پنجم سنگھ صاحب وارثی رئیس ملاوَلی ضلع مین پوری (جو ایک ذاکر و شاغل بزرگ تھے) بیان فرماتے ہیں کہ مجھ سے قاضی بخشش علی صاحب مؤلف رسالہ

حق

وسیلۂ بخشش' نے بیان کیا کہ حضورِ انورؒ کی خدمتِ عالی میں ایک شخص حاضر ہُوا اور اس نے اپنے وفورِ جوش و مسرّت میں اپنے جذباتِ قلبی کا اظہار اس شعر میں کیا ؎

ندارم ذوقِ رندی نے خیالِ پاک دامانی
مرا دیوانہ خود کن بہر رنگ کہ میدانی

حضورِ انورؒ نے ایک مرتبہ سن کر دو مرتبہ اور سائل ہی کی زبان سے پڑھوایا۔ تیسری مرتبہ اس شعر کا ختم ہونا تھا کہ وہ شخص دیکھتے ہی دیکھتے از خود رفتہ ہوگیا اور کپڑے پھاڑ کر چلا گیا اور اس شعر کی پوری کیفیت اس پر طاری ہوگئی۔

حضورِ انورؒ اکثر الفاظ کو تکرار کے ساتھ فرماتے۔ اسی طرح ایک مرتبہ اُس نے عرض کیا اور دو مرتبہ حضورؒ نے پڑھوایا اور وہی سوال حضورِ پُر نور کی طرف سے جواب ہوگیا۔ برجستہ جوابات بھی حضور سے ملتے تھے اور بعض اشارات کا مطلب عرصہ کے بعد ظاہر ہوتا تھا۔ سائل کو فوراً جواب ملتا تھا۔

حکیم محمود علی صاحب وارثی فتح پوری تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جبکہ اکثر احباب حاضر تھے۔ حامد علی صاحب رئیس جگور ضلع بارہ بنکی نے جو ریاست محمود آباد کی طرف سے تحصیل دار تھے۔ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ میرے بڑے بھائی صاحب نے جو حضورِ انورؒ کی غلامی کا شرف رکھتے تھے ایک شخص کی معرفت جو دیویٰ شریف کو جارہا تھا۔ حضورِ انور کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ بعد آستانہ بوسی میری طرف سے عرض کرنا کہ آپؐ کے جدِ امجد روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے ایک مرتبہ کلمۂ توحید پڑھا وہ جنتی ہے۔ پس مجھے اس کے معنی اور نکات سمجھا دیجیے کہ پوری تسکین ہو جائے۔

قاصد نے آستانہ شریف پر پیام عرض کیا تو حضورِ انورؒ نے ارشاد فرمایا کہ "دیکھا جائے گا" اور رخصت کر دیا۔ قاصد نے مختصر سا جواب میرے بڑے بھائی سے آکر بیان کر دیا۔ شیخ حامد علی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ کامل تین برس گزر جانے کے بعد جب کہ اس کا خیال بھی نہ رہا تھا۔ بھائی صاحب سخت علیل ہوگئے اور ان کی حالت روز بروز خراب ہوتی چلی گئی۔ اتفاق سے ایک عورت جگور کی رہنے والی جو قوم کی میراثن تھی۔ دیویٰ شریف میں حضورِ انورؒ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئی۔ حضورؒ نے اس سے فرمایا! "جگور کب جاؤ گی"۔ اس نے عرض کیا "کل صبح کو"۔ آپؐ نے فرمایا کہ اچھا حامد علی تحصیل دار کے بھائی کے پاس جانا اور اُن سے کہنا کہ تم نے حدیث شریف کے معنی پوچھے تھے اور

حق

اس کی تصدیق چاہی تھی۔ اس کا وقت یہی ہے اب کہو اور "دخل الجنۃ" کے مستحق ہو جاؤ۔
شیخ حامد علی صاحب کہتے ہیں کہ وہ عورت قریب شام کے میرے مکان پر پہونچی۔ بھا
صاحب کے قریب جاکر اُس نے دیکھا تو دمِ واپسیں تھا۔ بالکل وقت قریب تھا۔ زبان میں لکنت
چلی تھی۔ اس نے چلّا کر بھائی صاحب سے کہا کہ مجھ کو حضرت وارث پاکؒ نے آپ کے پاس بھیجا ہے
یہ ارشاد فرمایا ہے۔ وہ حضورِ انورؒ کا ارشاد سنتے ہی ایک دم چونک پڑے اور اس روح پرور
پیام کو سُن کر جو ان کے حق میں تریاقِ اکبر تھا۔ کلمۂ توحید زبان پر لائے اور برابر پڑھنے لگے۔ اسی
میں ان کا انتقال ہو گیا۔
آپؒ کی تقریر کا ایک مخصوص حسنِ تصرف یہ تھا کہ گو سامعین مختلف الحال ہوتے تھے لیکن
شخص یہ سمجھتا تھا کہ حضورِ انورؒ مجھ سے مخاطب ہیں اور روئے سخن میری جانب ہے اور مفہوم میرے
حسبِ حال ہے۔ ایک دفعہ چار ارادت مند جو کلیتہً مختلف الخیال تھے۔ حاضر ہوئے۔ ہنوز کچھ عرض
کیا تھا کہ فرمایا: جو شخص خدا پر بھروسہ کرتا ہے خدا اس کی ضرور مدد کرتا ہے اور تم تو آج رہو گے کل
چاروں اشخاص قدم بوس ہو کر چلے لیکن سب بہت مسرور تھے۔ ان کی غیر معمولی خوشی دیکھ کر
دریافت کیا کہ آپ سب کی اس خوشی کا کیا سبب ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک صاحب کا ہائیکورٹ میں مقدمہ
ہے جس کی کامیابی کے وہ ملتجی تھے۔
دوسرے صاحب کو بعض عقائدِ اسلام سے اختلاف تھا۔ تیسرے تہ بند پوش اس کے خواہاں
تھا کہ کوئی ذکر تعلیم فرمایا جائے۔ چوتھے حقائقِ توحید سے واقف ہونا چاہتے تھے اور چاروں کو مسرت
اس کی ہوئی تھی کہ فیضانِ وارثی نے ہماری خواہشات کو پورا کر دیا ہے

یک سخن از تو طرح گردید است
در ہزاراں سخن نمی گنجد

بظاہر تو سادہ الفاظ کے دو جُملے تھے مگر نہیں معلوم کیا معنوی لعنت ان غلاموں کے پیش کر
گیا کہ اس ایک عبارت سے چاروں نے چار معنی اپنے اپنے حسبِ حال سمجھے اور لُطف یہ کہ اپنے
خیال کو عین الیقین کا مرتبہ دیا گیا۔ اپنی سمجھ پر اس قدر وثوق ہُوا کہ مطمئن اور مسرور ہو گئے۔
حیرت انگیز امر یہ ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد جب انہیں حضرات سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ صاحب

کو کامیابی ہوئی۔ دوسرے کے خدشات رفع ہو گئے۔ شاہ صاحب کو دیکھا کہ اسمِ ذات کا ذکر جاری ہے اور چوتھے صاحب کو توحیدِ وجودی کا قائل پایا۔

قربان آپؒ کی طرزِ تقریر کی شان پر کہ معمولی الفاظ کے پردے میں یہ کرشمہ دکھایا کہ چاروں کے امراض گو مختلف تھے مگر اس طبیبِ باطن کے ایک نسخہ نے سب کو شفائے کامل مرحمت فرمائی۔ حضورِ انورؒ کے معجز نما تقریر کی ایک عجیب شان یہ بھی تھی کہ قبلۂ عالم نے اپنے غلاموں سے ان کی عدم موجودگی میں خطاب فرمایا اور انہوں نے اپنے مقام پر اس کو بخوبی سُنا۔

ایک بار بعد مغرب بیساختہ حضورِ انورؒ نے فرمایا کہ یا باسطُ پڑھ لیا کرو۔ چونکہ بظاہر مخاطب کوئی بھی نہیں تھا۔ اس لیے تعجب ہُوا اور یہ واقعہ بقیدِ تاریخ لکھ لیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد چودھری خدا بخش صاحب ٹھیکیدار ساکن اٹاوہ جو بارگاہِ وارثی کے قدیم حلقہ بگوش تھے۔ بہ تمنائے قدم بوسی دیویٰ شریف حاضر ہوئے۔ جب مجھ سے ملاقات ہوئی تو دورانِ گفتگو ان کے کاروبار کی حالت پُوچھی۔ موصُوف نے کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ اس سے قبل میں بہت قرضدار ہو گیا تھا۔ لیکن سرکار کے کرم سے سارا بار اتر گیا۔ ایک روز بعد نماز مغرب مَیں نے تصوّر کیا اور اتفاق سے حضورؒ کی برزخ قائم ہو گئی۔ اس حالت میں حضور انورؒ نے فرمایا کہ "یا باسطُ" پڑھا کرو۔ مَیں نے اس حکم کی تعمیل کی اور میرا کاروبار چل نکلا اور سارے قرض کے بار سے بھی سبکدوش ہو گیا۔ چودھری صاحب سے یہ واقعہ سن کر تاریخ کا مقابلہ کیا گیا۔ بالکل وہی تاریخ اور وقت پایا گیا۔ جو لکھا گیا تھا اس وقت سمجھ میں آیا کہ حضورِ انورؒ کا وہ ارشاد بے وجہ نہ تھا۔ بلکہ ایک نادار غلام کی پرورش منظور تھی۔ دو چار دن کے بعد حضور قبلۂ عالمؒ سے برسبیلِ تذکرہ چودھری صاحب کا واقعہ عرض کیا۔ ہاں جو تصدیق کے ساتھ یا باسطُ پڑھتا ہے وہ تنگدست نہیں رہتا۔

تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں دفتر پیدا
ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

مولوی علی احمد خاں صاحب وکیل و رئیس آگرہ جو کہ ایک متشرع بزرگ تھے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۸۷۲ء میں ایک عزیز کی شادی میں میرا شکوہ آباد جانا ہُوا۔ وہاں معلوم ہُوا کہ حضورِ انورؒ یہاں تشریف لائے ہوتے ہیں۔ مجھ کو بھی زیارت کا اشتیاق ہُوا اور اکثر اعزّہ جو کہ بارات میں شامل تھے حضورِ انورؒ کی قدم بوسی و زیارت کے لیے گئے اور ناکام واپس آئے اور یہ وجہ بیان کی کہ حضور پر نورؒ زنانہ مکان میں تشریف

رکھتے تھے اور وہاں خواتین کا ہجوم تھا۔ جو حضور کے سامنے بے حجاب آتی تھیں۔ وجہ واپسی سننے کے بعد مجھ کو جو اشتیاقِ قدمبوسی تھا۔ وہ جاتا رہا اور ایک قسم کا اکراہ محسوس ہُوا ۱۸۷۲ء سے ۱۸۹۵ء تک کسی قسم کا کوئی خیال میرے دِل میں نہیں آیا۔ اگست یا ستمبر ۱۸۹۵ء میں حکیم امجد علی خاں صاحب رئیس فیروز آباد کا ایک تار مجھ کو ملا۔ جس میں تحریر تھا کہ حضورِ انورؒ بھوپال سے تشریف لا رہے ہیں۔ جب آگرہ تشریف لائے تو مجھ کو بھی اطلاع کر دی۔ مَیں کچہری ہی میں موجود تھا کہ حکیم صاحب خود تشریف لے آئے اور فرمایا کہ حضرت وارث پاکؒ شہر میں تشریف لے آئے اور اسی وقت کی ٹرین سے اٹاوہ تشریف لے جائیں گے۔ حکیم صاحب موصوف کے ہمراہ اسٹیشن پر گیا تو وہاں اندر ہزار ہا آدمیوں کا ہجوم تھا۔ گاڑی میں پہونچنا بہت دشوار تھا۔ ہم نے اوّل درجہ کا ٹکٹ خریدا اور اس درجہ تک رسائی پیدا کی۔ جس میں حضورِ انورؒ رونق افروز تھے۔

گاڑی میں قدم رکھتے ہی جسم و قلب میں ایک حرکت پیدا ہوئی اور خوف طاری ہو گیا اور اسی حالت میں خوف زدہ خاموش بنچ کے نیچے بیٹھ گیا۔ چہرۂ اقدس چادر سے ڈھکا ہُوا تھا۔ مَیں نے اور حکیم صاحب نے ڈرتے ڈرتے پائے مبارک پر ہاتھ رکھے اور آہستہ آہستہ دابنا شروع کیا۔ ہمارے پاؤں دبانے سے حضورِ انورؒ نے دریافت فرمایا کہ "کون ؟"

خادم نے عرض کیا حکیم امجد علی خاں فیروز آبادی ہیں اور حکیم صاحب نے میرا نام بتایا اور عرض کیا کہ قدم بوسی کے لیے آئے ہیں۔ حضورِ انورؒ نے چہرہ مبارک سے چادر علیحدہ فرمائی۔ مجھ کو پہلے حضورِ انورؒ کی زیارت نہیں ہوئی تھی۔ مَیں حضورِ انورؒ کی طرف کن انکھیوں سے نظر ڈال لیتا تھا۔ مگر پاؤں دبانے میں مصروف رہا۔ اس قدر ہمت اور جرأت نہیں ہوتی تھی کہ نظر بھر کے جمالِ عدیم المثال کو دیکھ لوں اسی حالت میں مجھ کو ۱۸۷۲ء کا بدگمانی کا واقعہ یاد آیا۔ جس سے اور بھی دل ہی دل میں شرمندہ ہو گیا۔ حضورِ انورؒ نے خود بخود ہی مجھ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: "ہر شخص پر پابندیٔ شریعت اور اتباعِ سنت لازمی ہے" اس کے بعد کچھ کلامِ پاک کی آیات تلاوت فرمائیں اور احادیث شریف جو مویدِ شریعت ہیں ان کو بیان فرمایا اور سب کی تشریح اور توضیح فرماتے رہے مولانا روم علیہ الرحمۃ کے کچھ اشعار بھی پڑھے۔

حضورِ انورؒ کا مختصر بیان اس قدر جامعیت اور بلاغت سے بھرا ہُوا تھا۔ مَیں حیرت زدہ

ہو رہا تھا اور غور کر رہا تھا کہ حضورِ انورؒ فقیر تو ہیں ہی مگر فقیہہ بھی اعلیٰ پائے کے ہیں۔ فارسی زبان میں کمال رکھتے ہیں۔ انہیں باتوں پر خیال اور غور کرتے کرتے خیال ہُوا کہ ۱۸۷۲ء میں جو بدگمانی پیدا ہوگئی تھی۔ اس کا دفعیہ ہے۔ نصف گھنٹے میں تمام خطرات حُسن وعقیدت میں بدل گئے اور قدم مبارک چھوڑنا شاق ہوگیا۔ بالآخر حضورِ انورؒ اٹاوہ تشریف لے گئے اور مَیں آگرہ چلا آیا۔ آگرہ میں دوایم قیام دشوار ہوگیا۔ تیسرے دن بیتاب ہوکر اٹاوہ پہونچا اس کے بعد پھر آگرہ واپس آیا اور آگرہ سے شرفِ بیعت حاصل کرنے کے لیے دیوی شریف روانہ ہُوا۔ ۲۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء سے ۶۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء تک برابر حاضرِ خدمتِ عالی ہوتا رہا۔ حضورِ انور کی قدم بوسی کوئی آسان امر نہ تھا۔ ہزارہا زائرین ومشتاقین امیر وغریب کا ہجوم رہتا تھا۔ آدمی پر آدمی گرتا تھا۔ ٹھوکریں اور دھکے کھا کر حضورِ انورؒ کے قدموں تک رسائی نصیب ہوتی تھی۔ ۶۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء مطابق ۱۶۔ ربیع الثانی ۱۳۱۳ھ کو شرفِ غلامی نصیب ہُوا۔ سبحان اللہ کیا ساعتِ سعید اور وقتِ ہمایوں تھا۔

ع خوشا وقتے وخرم روزگارے

حق

حضورِ اقدس سرکار وارث پاکؒ کی

توکّل و استغنا

حضورِ انورؒ کے توکل و استغنا کی بھی ہر بات میں جھلک نظر آتی تھی۔ اکل و شرب میں بھی اس قدر استغنا و توکل تھا کہ کبھی زبانِ مبارک سے کوئی چیز طلب نہیں فرماتے تھے اور نہ کسی چیز کی خواہش ظاہر فرماتے تھے۔ خدام خود ہی پیش کر دیتے تو قبول فرما لیتے۔ ورنہ کسی قسم کا کوئی انتظام کھانے وغیرہ کے متعلق یا کسی اور کام کے لیے کرنا حضورِ انورؒ کے نزدیک خلافِ توکل تھا۔ قیام دیویٰ شریف میں معمولاً سید معروف شاہ صاحب جاں نثار و خادمِ قدیم بارگاہِ عالی معہ خاصہ حاضر ہوتے تھے۔ جب دسترخوان بچھایا جاتا تھا تو سید معروف شاہ صاحب قبلہ ہر ایک چیز کی طرف اشارہ سے بتاتے تھے کہ یہ فلاں چیز ہے اور یہ فلاں اور حضورِ انورؒ سب میں سے تھوڑا تھوڑا صرف چٹکی سے اُٹھا لیتے تھے۔ ہر ایک کھانے کی مقدار اتنی قلیل ہوتی تھی کہ جس سے یہ گمان نہیں ہو سکتا تھا کہ آپؒ کو کسی چیز کے ذائقہ کی خبر ہوئی ہو۔ کھانے میں بہت جلدی فرماتے تھے جیسے کوئی کڑوی دوا حلق سے اتارتا ہے۔

مولوی سید عبدالغنی صاحب وارثی بہاری تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۸۹۰ء میں جب حضورِ انورؒ صوبہ بہار تشریف لے گئے تھے اور پھلجھی میں قیام فرمایا تھا۔ اس زمانہ میں حضورِ انورؒ کے اکل و شرب کا یہ اندازہ دیکھا گیا ہے کہ حاجی محمد اسماعیل صاحب رئیس پھلجھی کی بیگم صاحبہ جو حضورِ انورؒ کی زمانۂ دراز کی جاں نثار مریدہ تھیں حضورِ انورؒ کے لیے اپنے ہاتھ سے نہایت پُرتکلف اور نفیس کھانے تیار کر کے خدمت میں پیش کرتی تھیں لیکن حضورِ انورؒ ان کھانوں میں سے ذرا ذرا چکھ لیتے تھے اور سب کا سب تقسیم فرما دیا کرتے تھے اور صرف دن میں ایک وقت ابالی ہوئی کھچڑی جو نور محمد شاہ خادم تیار کرتے تھے اور پیش ہوتی تھی اس کے دو چار لقمے تناول فرماتے تھے۔ حضورِ انورؒ کو کھانے پینے کی اشیاء سے

ایسی بے رغبتی تھی کہ لوگوں کو ہر ایک چیز کے بتلانے کی ضرورت ہوتی تھی اور یہ خیال قطعی حقیقت ہے کہ حضور والاؒ نے کسی چیز کے ذائقہ سے حظ نہیں اُٹھایا۔ حضور وارث پاکؒ نے گیارہ سال کی عمر تک اپنے مکان پر کھانا تناول فرمایا اس کے بعد ہمیشہ توکل ہی پر بسر ہوئی۔ حضور وارث پاکؒ پیشتر سے دعوتوں کا تعین بھی خلافِ توکل تصور فرماتے تھے۔

ہر شخص کی دعوت بخوشی منظور فرما لیتے تھے۔ اگر کوئی ذی مقدور حضور وارث پاکؒ کے لیے پُرتکلف اور نفیس کھانے حاضر کرتا اور کوئی غریب اپنا سادہ کھانا دال دلیے کی قسم سے پیش کرتا تھا تو حضور وارث پاکؒ دونوں کے پیش کردہ طعام کی برابر قدر فرماتے تھے۔ کبھی کسی کو اس بات کی ذرہ برابر شکایت پیدا نہیں ہوئی کہ ہماری چیز کی کم قدر ہوئی۔ دونوں اپنی اپنی خوش نصیبی پر ناز کرتے تھے۔

مولوی حسین علی صاحب نواب وارثی زمیندار سادہ مئو ضلع بارہ بنکی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عشرہ محرم میں حضورِ انورؒ ردولی شریف میں قاضی مظہر الحق صاحب کے مکان پر قیام پذیر تھے۔ میں تعزیوں کے دفن ہونے کے بعد مکان پر آیا تو میں نے اپنی لڑکی سے کہا کہ حضور انورؒ کے لیے حلوہ تیار کر دو مگر بادام نہ ڈالنا (حضرتِ اقدس بادام بالکل استعمال نہیں فرماتے تھے) اُس نے حلوہ فوراً تیار کر دیا۔ جب میں لے کر چلا تو لڑکی نے ہنس کر کہا کہ آپ لیے تو جاتے ہیں حضرت نوش فرمائیں تب بات ہے۔ میں حاضرِ خدمت ہوا اور حلوے کا برتن پیش کیا تو حضور وارث پاکؒ نے نور محمد شاہ (خادم) سے فرمایا کہ اس کو تقسیم کر دو۔ مجھے اس ارشاد پر ہنسی آگئی۔ حضورِ انورؒ نے فرمایا کہ کیسے ہنسے تو میں نے عرض کیا، چلتے وقت لڑکی نے کہا تھا کہ لیے تو جاتے ہو حضرت نوش فرمائیں تب بات ہے۔ یہ سُن کر آپؒ نے فرمایا، ہم کھائیں گے۔ فوراً خادم نے حلوہ حاضر کیا۔ حضور پاکؒ نے تین بار انگشتِ شہادت سے اُٹھا کر نوش فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ حضور بس اب خاطر ہو گئی۔ یہ خلافِ مزاجِ گرامی ہے۔ پھر حضورِ انورؒ نے تقسیم کا حکم صادر فرمایا۔ غرض کہ حضورِ انورؒ کو کسی شے سے رغبت نہ تھی۔ آخر زمانہ میں جب دیویٰ شریف کو حضورِ انورؒ کے مستقل قیام گاہ کی عزت نصیب ہوئی تو شاہ فضل حسین صاحب وارثی سجادہ نشین شاہ ولایتؒ اور سید معروف شاہ صاحب قبلہ وارثی کے علاوہ اکثر امراء نے حضورِ انورؒ اور دیگر مہمانوں کے لیے اپنی طرف سے کھانے کے انتظامات کیے تھے۔ روزانہ حضور انورؒ کی خدمتِ اقدس میں متعدد سینیاں کھانوں کی پیش ہوتی تھیں مگر حضورِ انورؒ کی خوراک ایک وقت میں ایک تولہ سے زائد نہ تھی اور آخر زمانہ میں دونوں

حق

وقت میں ایک تولہ کی مقدار رہ گئی تھی۔ جس سے ظاہر ہے کہ حضورِ انورؒ کی زندگی بالکل روحانی تھی۔ غذا وغیرہ برائے نام تھی۔ برف کا پانی حضور پاکؒ نے کبھی استعمال نہیں فرمایا۔ البتہ شورے سے ٹھنڈا کیا ہُوا پانی استعمال فرمایا ہے۔

حضور وارث پاکؒ نے اپنے لیے کبھی کوئی چیز طلب نہیں فرمائی مگر مہمانوں کے لیے ارشاد فرماتے تھے کہ ان کو کھانا کھلا دو اور جب تک مہمانوں کو کھانا نہیں پہونچ جاتا تھا خود تناول نہیں فرماتے تھے۔ حضورِ انورؒ کے خدام عالی مقام اور جان نثارانِ قدیم سے اس بات کی تحقیق کی گئی کہ حضورِ انورؒ کو کھانوں میں کون سی شئے زیادہ مرغوب تھی۔ تو اس سے مختلف باتیں معلوم ہوئیں۔ کسی نے کہا تہیر برنج پسند فرماتے تھے۔ کسی نے ساگ دال میں پڑا ہُوا۔ کسی نے خرفہ اور بتھوے کا ساگ بتایا۔ غرضیکہ مختلف بیان پائے گئے۔ جن سے اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ کون سی چیز خاص طور سے مرغوب طبعِ لطیف تھی۔ حضور والا لحم البقرہ استعمال نہیں فرماتے تھے مگر جب حضورِ انورؒ کو معلوم ہُوا کہ حضور کی تقلید میں حضورِ انورؒ کے فقرا بھی اس کو چھوڑتے جاتے ہیں تو حضورِ انورؒ نے صرف ایک مرتبہ گائے کے کباب کو انگلی سے چکھا تاکہ ایک جائز چیز سے تنفر پیدا نہ ہو جائے۔

حضورِ والاؒ نے مچھلی بھی تناول نہیں فرمائی اور نہ کبھی اس کی وجہ بیان فرمائی۔ جس مکان میں کھانا پکتا تھا اس میں بھی مچھلی نہیں پکتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے ناواقفیت سے وہاں مچھلی پکائی۔ تو چھپر میں آگ لگ گئی۔ جس سے ظاہر ہُوا کہ حضورِ انورؒ کے واسطے جہاں کھانا تیار ہو وہاں مچھلی نہیں پکنی چاہیے تھی۔ دعوتوں میں بھی لوگ حضورِ انورؒ کے لیے مچھلی نہیں پکواتے تھے۔ بعد تناول خلال فرمانے کی حضورِ انورؒ کو عادت تھی آخر عمر میں بھی حسبِ عادت خلال ضرور فرماتے تھے۔ بلکہ خلالیں ہر وقت پاس رہتی تھیں۔ ساری عمر توکل پر بسر ہوئی۔ امرا، غربا جو دعوت کی استدعا کرتے آپؒ خوشی سے منظور فرما لیتے۔ جن کے ذرائع معاش ناجائز ہوتے تھے۔ ان کے یہاں کھانے سے احتیاط فرماتے تھے۔ یہ بات مشہور تھی ایسے کسی شخص کو عرض کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی تو حضورِ انورؒ اس سے بھی احتراز فرماتے تھے۔

مولوی رونق علی صاحب وارثی الرزاقی لکھتے ہیں کہ میرے خاندان میں ایک بیوی صاحبہ حضورِ انورؒ سے ارادت رکھتی تھیں۔ مگر ان کے شوہر حضورِ انورؒ سے بیعت نہ تھے۔ ان کی بیوی صاحبہ

کو ترکہ پدری میں کچھ جائیداد ملی تھی۔ انہوں نے حضرتِ پاکؒ کی دعوت کا اہتمام کیا۔ مگر ان کے شوہر مصارف کی زیادتی کے باعث ان کے ہم خیال نہ تھے۔ ان بیوی صاحبہ نے بغیر رضامندی شوہر کے اپنی جائیداد کے زعم میں حضور والاؒ کی خدمت میں دعوت کے لیے عرض کیا۔ حضور انورؒ نے تبسّم سے ارشاد فرمایا کہ "پہلے میاں بیوی صلاح کر لو۔" وہ ساکت ہو گئیں۔ کچھ عرصہ کے بعد خود ان کے شوہر صاحب نے بخلوص و محبت دعوت کا اہتمام کیا تو حضور انورؒ نے دعوت قبول فرمائی۔

تناول طعام کے وقت فرقِ اقدس کو تہ بند کے دامن سے ڈھانپ لیتے تھے۔ سر مبارک کبھی کھول کر طعام تناول نہیں فرماتے تھے۔ نشست اکڑوں ہوتی تھی اور بعد تناول طعام استنجا کے لیے تشریف لے جانا معمول میں داخل تھا۔ کھانے کے بعد دن میں قیلولہ اور شب میں چہل قدمی فرماتے تھے۔

یعنی حضور پاک علیہ الرحمۃ کے جملہ عادات غیر معمولی مجاہدات تھے۔ لہٰذا حضور انورؒ کی حیاتِ پاک میں کسی بھی عنوان سے کوئی باب مجاہدات و ریاضات کا قائم ہی نہیں کیا جا سکا۔ دیکھنے والوں نے مستقل حاضر باش خدام، وقتاً فوقتاً اتفاقاً حاضر ہونے اور زیارت کرنے والوں نے یہ کوئی مخصوص کی نہیں کہ جسے حضور انورؒ کی کرامت سمجھا جاتے یا بیان کریں۔ یہاں تک کہ پانی نوش فرمانا جو بشری زندگی کی حیات یعنی روحِ پاک اور جسم کی مناسبت کی لازمی حقیقی حالت ہے اس کے لیے بھی خادم سے حکماً طلب فرمانے کی بجائے خاص محبت و نرمی بھرے لہجے میں ارشاد بطرز استفسار فرماتے "پانی پی لیں" خادم جو تن من دھن سے نثار ہوتا تھا۔ اس سے بھی حکماً "پانی لاؤ" فرمانا خاص متروکات میں سے تھا۔ حضورِ انورؒ پانی بہت کم نوش فرماتے تھے۔ مگر تشنگی چونکہ زیادہ رہتی تھی اور بہت کم پینے کی وجہ سے بار بار ارشاد ہوتا تھا اور اس پر بھی اگر خادم نے ٹوک دیا کہ ابھی تو آپؒ نے پیا ہے تو حضورِ انور خاموش ہو جاتے تھے۔ اور اگر وہ لے آیا تو پی لیتے تھے۔ پانی پیتے وقت کسی خاص خیال اور محویت کی صورت

ہوتی تھی اور پانی پینے کے بعد" لبوں میں ایسی جنبش محسوس ہوتی تھی جس سے اظہار ہوتا تھا کہ آپؒ زیرِ لب کچھ فرما رہے ہیں۔" یعنی شکر ادا فرما رہے ہیں۔ گویا پانی نوش فرمانا بھی حضورِ انورؒ کا ایک مستقل مجاہدہ تھا اور یہ تو مسلّمہ ہے کہ بچپن سے لے کر پچاس پچپن کی عمر شریف تک حضورِ انورؒ نے متواتر تین تین، پانچ پانچ، سات سات دن کے روزے رکھے ہیں اور یہ حالات اور خورد و نوش کے طریقے اس عمرِ پاک کے بعد کے ہیں ○

حق

ہر کہ را باشد ز یزداں کاروبار
باز آنجا یافت بیروں شد زکار

حضورِ انورؒ کی سیرتِ پاک کے یہ حالات حضور سید الشہداء، امام الاتقیاء، رہبرِ اولیاء جگر گوشۂ سیدۃ النساء حضرت امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تسلیم و رضا کی کھلی ہوئی نسبت کے مظاہرے تھے۔ قدرتی آشکار کیفیات تھیں کہ پانی بھی عمر بھر اپنی مرضی سے نوش نہیں فرمایا ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دل مے کشد کہ جا اینجاست

خاصہ نوش فرمانے کا طریقہ

حضور وارثِ عالم پناہؒ نے اپنے جسمِ اقدس کی صحت و توانائی کے واسطے غذا سے بھی بھرپور فائدہ نہیں اُٹھایا اور جس طرح آپؒ کے دیگر عادات و معمولات میں روحانیت کی شان ہے اسی طرح روحانی زندگی کے واسطے غذا بھی روحانی تھی بقول مولاناؒ ؎

قوتِ جبریل از مطبخ نبود　　بلکہ بود از دید خلاق الوجود

دیگر سالقہ حضور انورؒ کی کتب سیرت میں منقول ہے کہ حضور وارثِ عالم پناہؒ کی ابتدائی عمر کا قلیل حصہ اپنی جدہ ماجدہ کی آغوشِ حمایت میں گزرا اور چند سال اپنے برادرِ نسبتی حاجی سیدنا خادم علی شاہ صاحبؒ کے ظلِ عاطفت میں پرورش پائی۔ اس کے بعد اعزہ کی نگرانی کا دور ختم ہوگیا۔ اس وقت سے دعوت کا سلسلہ شروع ہوا لیکن یہ مستند حضرات سے منقول ہے کہ عہدِ طفلی سے غذا آپؒ کی بہت قلیل رہی جو اولیائے عظام کا طریق اور انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہے بمصداق " الجوع طعام الانبیاء " اور جس طرح کھانے کی جانب حضورِ انورؒ کی رغبت کم رہی اسی طرح تقسیم کرنے کا شوق ابتدا سے تھا۔

جناب شاہ فضل حسین صاحب وارثی زیب سجادہ حضرت ولایت محمد عبدالمنعم قادری کنزالمعرفت علیہ ناقل تھے کہ ایک زمانہ میں یہ شہرت ہوئی کہ آپؒ کی دادی صاحبہ کے مکان میں ایک جن ہے جو روزانہ روٹیاں اور کبھی برتن اُٹھالے جاتا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد کچھ برتن محلہ کے غرباء کے گھر میں دیکھے گئے۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ " مٹھن میاں ان میں کھانا دے گئے تھے " (حضورِ انورؒ کا بچپن کا نام محبت سے مٹھن میاں لیا جاتا تھا) جب آپؒ سے پوچھا گیا تو

فرمایا ہاں! تمہارے یہاں تو غلہ بھرا ہُوا ہے اور برتن اس قدر ہیں کہ رکھنے کی جگہ نہیں اور وہ غریب فاقہ کرتے ہیں اور مٹی کے برتن بھی لے جاکر ہم ان کو دیتے ہیں۔

خاصہ نوش فرمانے کا یہ طریقہ تھا کہ باوجود اس کے حضورِ انورؒ وقت کے بہت پابند تھے لیکن کبھی اگر کسی وجہ سے کھانا آنے میں کچھ دیر ہوئی تو بھی حضورِ انورؒ نے کھانا طلب نہیں فرمایا بلکہ میزبان کھانا لے کر جب حاضر ہوتا تھا تو خادم عرض کرتا تھا کہ حضورؒ کھانا آگیا جس کے جواب میں اکثر آپؒ فرماتے تھے "ہاں کھانا آگیا"۔ اور کبھی متبسّم لبوں سے ارشاد ہوتا تھا کہ "آپ آگئے"۔ اور ہمیشہ دونوں زانو کھڑے کرکے یعنی اوکڑوں بیٹھ کر اور گوشۂ احرام سر پر ڈال کر آپؒ خاصہ نوش فرماتے تھے۔ نہ کبھی اس نشست میں تغیر ہوا اور نہ برہنہ سر آپؒ نے کھانا تناول فرمایا۔ خادم ہر ایک کھانے کا نام لے کر حضور قبلۂ عالمؒ کے سامنے پیش کرتا تھا۔ لیکن پُرتکلف کھانوں سے آپؒ کو رغبت نہ تھی۔ اس لیے اکثر دریافت فرماتے تھے کہ دال کس میں ہے خادم بتا دیتا تھا اور پہلے دال ہی سے چند لقمے تناول فرماتے تھے۔ اس عرصہ میں خادم نے گرم چپاتی توڑ کر شوربہ میں بھگوئی اور جب دال سے آپؒ نے دست کشی فرمائی تو شوربہ کا پیالہ پیش کر دیا جس کو عربی میں ثرید کہتے ہیں اور جس کو تاجدارِ مدینہ نے "خیر الطعام" فرمایا ہے اور علمائے عظام اور صوفیائے کرام کا اتفاق ہے کہ اس سریع الہضم غذا کا کھانا مبارک اور مسنون ہے۔ پھر چاولوں میں شوربہ لاکر خادم نے پیش کیا تو اس کے بھی چھوٹے چھوٹے دو تین لقمے نوش فرما کر خادم کی طرف دیکھا اس نے پانی کا گلاس پیش کیا تو قریب نصف گلاس پانی پی کر فرمایا کہ دسترخوان اُٹھاؤ۔ اس وقت خادم پُرتکلف کھانوں کی طرف اشارہ کرکے عرض کرتا تھا کہ "حضورؒ" ان کو بھی ہاتھ لگا دیجیے۔ اس کے اصرار سے نمک چکھنے کی طرح چکھ لیتے تھے یا صرف ہاتھ لگا دیتے۔ یہی خاصہ نوش فرمانے کا طریقہ تھا۔ جس کی کل مقدار ابتدائے زمانہ میں پانچ تولہ سے کبھی زیادہ نہ تھی۔ جس میں دن بدن کمی ہوتی گئی حتیٰ کہ ۱۳۱۸ھ تک آپ کی روزانہ غذا تقریباً ایک تولہ رہ گئی وہ بھی بصد اصرار کسی روز انکار فرمایا تو بھی نہیں۔

دیوٰی شریف کے قیام میں بھی آپ کی دعوت کی یہی صورت تھی۔ اگر کوئی فرق تھا تو صرف اس قدر کہ عمائدین دیوٰی شریف کی دعوت کا تقرر بطور استمرار بارگاہِ وارثی سے منظور ہو گیا تھا۔ اور جب حضورِ انور تشریف لاتے تھے تو حسبِ دستور اکثر تین ہی دن قیام فرماتے تھے اور جیسا کہ اوپر

رقم کیا گیا ہے کہ دیوڑی شریف میں ایک اور امتیازی شان کا اضافہ ہو جاتا تھا۔ علاوہ مقررہ دعوت کے بعض عمائدین دیوڑی شریف بھی روزانہ آپؒ کے واسطے کھانا لے کر حاضر ہوتے تھے اور ان کا کھانا بھی مقررہ دعوت کے کھانے کے ہمراہ دسترخوان پر لگایا جاتا تھا علاوہ اس کے جو ایسے معتقد حلقہ بگوش قدم بوسی کو آتے تھے جن کے ہمراہ باورچی ہوتا تھا۔ تو وہ پر تکلف کھانے پکوا کر لاتے اور آپ کے دسترخوان پر لگاتے تھے اور خادم عرض کرتا تھا کہ یہ شیر برنج ٹھاکر پنچم سنگھ لائے ہیں اور یہ پلاؤ نواب عبدالشکور خاں نے آپ کے لیے تیار کرایا ہے اور یہ کباب بادشاہ حسین خاں کے باورچی نے پکائے ہیں اور کھانے کا نام لے کر ساتھ یہ بھی عرض کرتا تھا کہ حضورؒ ذرا ان کو بھی چکھ لیجیے۔

حضور انورؒ کا دستور تھا کہ خادموں کی درخواست اگر منضبط عادات کے خلاف نہ ہوتی تو اکثر منظور فرماتے تھے اس لحاظ سے کچھ تو خادموں کی محبت آمیز گذارش کا خیال اور کچھ ان ارادت مندوں کی عزت افزائی جو بکمال عقیدت کھانا لاتے تھے۔ آپؒ ان مختلف کھانوں میں سے بھی کسی کو صرف ہاتھ لگا دیتے اور کسی کو ذائقہ کے طور پر زبان سے لگا کر تعریف فرماتے تھے۔ نیز موقع بہ موقع یہ دیکھا گیا ہے کہ حضور قبلۂ عالمؒ نے شیر برنج میں انگلی لگا کر زبان پر رکھی اور فرمایا کہ "دال اچھی پکائی ہے" یا پلاؤ کے دو چار چاول کھا کر ارشاد فرمایا کہ باورچی بہت ہوشیار ہے۔ کباب خوب پکائے ہیں۔ اس خیال سے کہ ان کی خاطر شکنی نہ ہو حضور قبلۂ عالم نے چھو کر زبان سے لگا لی۔

یہ عرض کرنا شاید بے محل نہ ہوگا کہ جس طرح حضور قبلۂ عالم ترکِ تعلقات میں عدیم النظیر تھے اسی طرح ترکِ لذات میں بھی حضورؒ کو بدرجہ اتم من جانب اللہ کمال حاصل تھا۔ کہ شیرین و نمکین ذائقہ کا امتیاز ہی ختم ہو گیا تھا گویا کہ ہر صفت میں توکل کی شان اس انداز سے ظاہر تھی کہ جس کی نظیر ملنا مشکل ہے کہ تمام عمر اسباب ضروری و سامانِ لازمی سے ایسے دست بردار رہے کہ نہ ماکولات نہ مشروبات کی فکر نہ ان کی لذات یعنی شیرینی یا نمکینی ذائقوں کا احساس جس کی مثال میں درج ذیل واقعہ اور خاص تعلیم کافی و دافی سمجھی جا سکتی ہے۔

ایک مرتبہ سیاحتِ قصبہ ستر کھ کی واپسی میں حسبِ دستورِ قدیم سرکار عالم پناہؒ بارہ بنکی میں حافظ رمضانی صاحب کے مہمان ہوئے۔ شب کو حافظ صاحب نہایت غمگین اور پریشان حال خدمت والا میں حاضر ہوئے اور دست بستہ عرض کیا کہ آج صبح کو بھی ہم غلاموں نے کچھ نہیں کھایا تھا

کیونکہ ایک پیسہ بھی پاس نہ تھا۔ جب آپؒ تشریف لائے تو مَیں نے بہت کوشش کی کہ قرض ہی مل جائے تو کچھ پکواؤں۔ مگر اس میں بھی مجھے کامیابی نہیں ہوئی۔ واللہ مجھ کو اپنے فاقے کا مطلق خیال نہیں۔ لیکن زیادہ افسوس اس بدقسمتی کا ہے کہ آپؒ کے سامنے کچھ پیش نہ کرسکا۔ کاش اس سے قبل مرجاتا کہ آج اپنی بدعمالی سے یہ دن تو نہ دیکھتا۔ حضور قبلہ عالمؒ نے فرمایا "حافظ جی پریشان نہ ہو صبر کرو "ہم کو تو بچپن سے فاقہ کی عادت ہے۔ جب رازقِ مطلق ہمارا تمہارا رزق بھیجے گا اس وقت ہم بھی کھائیں گے تم بھی کھانا اور حافظ تم نے سُنا ہے کہ شاید جلے نیاز کے نعمت خانہ میں سب سے بڑی نعمت فاقہ ہے اور جس سے وہ خوش ہوتا ہے اس کو یہ نعمت مرحمت فرماتا ہے۔ خوش ہو اور دو رکعت صلوٰۃ الشکر پڑھو کہ تمہارا نام اس کے دوستوں میں لکھا گیا اور حافظ جی یہ بھی جانتے ہو کہ اس نماز کی پہلی رکعت میں "والضحیٰ" اور دوسری میں "الم نشرح" اور بعد ختم نماز سجدہ ستر مرتبہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل ۔ ونعم المولیٰ ونعم النصیر پڑھ کر سر اُٹھاتے ہیں۔ اچھا جاؤ۔ حافظ صاحب حسبِ ہدایت تحیۃ الشکر ادا کرنے میں مصروف ہوگئے۔

اسی عرصہ میں معلوم ہوا کہ راجہ سرانڈیپ سنگھ کی جانب سے میلاد شریف ہُوا تھا اور ان کے نائب ریاست نے کھانا بھیجا ہے۔ حافظ صاحب نے سب کھانا لاکر حضور انورؒ کے سامنے پیش کیا اور سب حال عرض کیا۔ آپؒ نے مسکرا کر فرمایا کہ ہمیشہ پہلے ہم کو کھانا کھلا کر تم کھاتے تھے۔ آج تم پہلے کھاؤ۔ کیوں کہ صبح سے کچھ نہیں کھایا ہے پھر ہم کھائیں گے۔ حافظ صاحب نے عرض کیا کہ یہ بے ادبی ہوگی پہلے حضورِ انورؒ تناول فرمائیں۔ مگر حضورِ انورؒ نے پھر فرمایا کہ نہیں پہلے تم کھاؤ اور اگر ادب کا خیال ہے تو ہم نے معاف کیا۔ مجبوراً حافظ صاحب نے اس میں سے تھوڑا سا کھانا لے کر کھایا۔ تب حضورِ انورؒ نے تناول فرمایا۔ حافظ صاحب ناقل تھے کہ اسکے بعد آج تک میں نے فاقہ نہیں کیا۔ مسبب الاسباب میری ضرورت سے زیادہ مجھ کو یقین ہے کہ تحیۃ الشکر کی برکت سے یہ فراغ حالی ہوئی ہے۔

حق

تجلیاتِ تصدیق

درکنز و ہدایہ نہ تواں یافت خدارا
بر مصحفِ دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

عاشق و عشق و بت و بت گر عیار یکے است
کعبہ و دیر و مساجد ہمہ جا یار یکے است

گر در آئی بہ چمن وحدتِ یکرنگی بیں
کہ در آں عاشق و معشوق گل و خار یکے است

مادۂ تصدیق کا پیدا ہونا۔ خدا کے فضل و کرم پر منحصر ہے۔ ہر شخص کے دل میں یہ اہلیت پیدا نہیں ہوتی اور نہ یہ علم کتاب میں ہے جو کتاب سے حاصل ہو جاتے یہ تو حصۂ خاص عارفان باللہ کا ہے

آں علم کہ در مدرسہ حاصل کردی
کارے دگرست و عشق کارے دگرست

منقول ہے کہ حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ طالب اپنے تمامی افعال و اعمال سے بے ہمہ ہو تو خود باہمہ ہو جائے گا۔ نیز فرمایا کہ میں نے تیس برس تک خدا کو تلاش کیا اور جب مل گیا تو معلوم ہوا کہ میں خود ہی مطلوب تھا وہ تو طالب تھا۔ مگر یہ سب کچھ تصدیق کی تجلیات سے منور ہونے پر نظر آتا ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے حضور قبلۂ عالم رح کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ عرض کیا کہ میرا ارادہ ہے کہ اپنے پیر کی بیعت کو توڑ دوں اور آپ کا مرید ہو جاؤں۔ ارشاد ہوا کہ انہوں نے کیا قصور کیا کہ

حق

کہ بنی بنائی بیعت کو توڑنے پر آمادہ ہو۔ اس نے عرض کیا کہ بڑا قصور یہ ہے کہ وہ بے فیض ہیں۔ فرمایا کہ قصور ان کا نہیں ہے فیض حاصل کرنا تو تمہارا کام ہے۔ جاؤ اور محبت کے ساتھ اُنہیں سے رجوع کرو جو تمہاری قسمت کا ہے وہ انہیں کے ذریعے سے تم کو ضرور ملے گا۔ گھبراؤ نہیں۔"

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔

ایک شخص نے خدمتِ والا میں عرض کیا کہ مجھ کو مرید کر لیجیے۔ آپؒ نے بیساختہ فرمایا تم کسی کے مرید نہیں ہو۔ اُس نے عرض کیا کہ مرید تو میاں شیر محمدؒ صاحب کا ہو چکا ہوں، مگر میری خواہش ہے کہ آپؒ کا بھی مرید ہو جاؤں۔ ارشاد ہُوا کہ جس طرح ایک عورت کو دو مردوں سے بیک وقت نکاح کرنا ممنوع ہے۔ اسی طرح ایک مرید کو دو پیروں کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں نقصان ہے۔ دیکھو ایک ناؤ پر سوار ہونے میں سلامتی ہے اور پار اتر جانے کی زیادہ اُمید ہے اور برخلاف اس کے اگر کوئی شخص ایک پاؤں ایک ناؤ پر اور دوسرا پاؤں دوسری ناؤ پر رکھ کر دریا سے پار اترنا چاہے تو ڈوبنے کا خوف ہے بس جاؤ اگر طلب صادق ہوگی تو جس کا ہاتھ پکڑا ہے اسی صورت میں تم کو خدا ملے گا۔

وارثؒ نے محبت کی جب بنا ڈالی — پھر عشق حقیقی کی وہ شان دکھا ڈالی
کیا سحر کیا وارثؒ معلوم نہیں ہم پر — پھر ہستیٔ دنیا میں کیا ہلچل مچا ڈالی
ناکام ہوئے گو سب لیکن تیری ہمت ہے — جو بات نہ ہوتی تھی وہ کر کے دکھا ڈالی
واقف ہی نہ تھا کوئی اسرارِ محبت سے — ایک جام پلا کر ہمیں الفت بھی سکھا ڈالی
وہ درس دیا تم نے اخلاق و محبت کا — جو بات پتے کی تھی واللہ بتا ڈالی
وہ اک جام کے پیتے ہی سب ہو گئے دیوانے — اتنا تو بتا وارثؒ کیا اس میں ملا ڈالی
وارث سا مصور کیا دنیا میں کہیں ہوگا — سینے میں محبت کی تصویر بنا ڈالی
وارث کے سفینے کو کیا ڈر ہے حوادث کا — جب وارثِ قدرت نے خود اس کی بنا ڈالی
ہر سمت سے شور اُٹھا تحسین و ستائش کا — سرورؔ نے جو محفل میں مدحت سنا ڈالی

——— الحاج سرور شاہ وارثی

ایک مرتبہ حضور وارثِ عالم پناہؒ نے فرمایا کہ اور عبادتیں تو ایسی ہوتی ہیں کہ جو بندہ کرتا ہے اور اجر اس کا خداوند کریم مرحمت فرماتا ہے مگر محبت ایسی عبادت ہے کہ جب خدا سے ہم محبت کرتے ہیں تو بجائے جزا دینے کے خدا ہم سے محبت کرتا ہے بقول ؎

حق

تو بجستم و بجستو نہ چہ گفتار است
بہ زیر پردہ مگر خویش را خریدار است

اسی طرح ایک دفعہ حضور وارثِ عالم پناہؒ کی خدمت فیض درجت میں ایک خوشحال اور تعلیم یافتہ ہندو جو اپنی پگڑی کی وجہ سے پنڈت اور لباس کے رنگ اور وضع کے لحاظ سے درویش معلوم ہوتے تھے حاضر ہوئے۔ جناب حضرت نے فرمایا، کہاں سے آئے ہو۔ عرض کیا۔ بنارس سے آپؒ نے خادم کو حکم دیا کہ ان کو بنگلے میں ٹھہراؤ اور کھانے کا انتظام کر دو۔ کوئی تکلیف نہ ہو اور دو سیب مرحمت فرما کر ارشاد ہوا کہ جاؤ۔

بعد نمازِ ظہر کے پھر وہ قدم بوسی کے واسطے حاضر ہوئے۔ سرکار عالم پناہؒ نے فرمایا، تمہارا کیا نام ہے عرض کیا ہری داس۔ ارشاد ہُوا کہ بنارس کے قدیم باشندے ہو۔ عرض کیا، نہیں۔ تعلیم کی غرض سے مَیں بنارس میں زیادہ رہا اور اس وقت بھی وہیں سے آیا ہوں۔ ورنہ استھان ضلع فیروز پور (پنجاب) میں ہے۔ اور نسباً گرو نانک شاہ کے خاندان میں سے ہُوں۔ بزرگوں کی گدی ہے۔ جس پر والد کے بعد بقول حافظِ شیرازؒ " قرعہ فال بنامِ من دیوانہ زدند" دربار صاحب نے مجھے بٹھا دیا۔ حالانکہ اس لائق نہیں ہوں کہ کسی کو خدا کے ملنے کا راستہ بتاؤں۔ مگر رسمِ دنیا کے مطابق گدی کی سیوا کرتا ہوں اور چند گاؤں ہیں جن کی آمدنی اس قدر آتی ہے کہ دس بیس سنت سادھو بھی کھاتے ہیں۔ اور مَیں آرام سے رہتا ہُوں مگر جب یہ خیال کرتا ہُوں تو شرم آتی ہے کہ شیروں کی جگہ پر کتا بیٹھا ہے۔ عرصہ سے آپؒ کے دیدار کا اشتیاق تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ آج درشن ہو گئے۔ مہاتما جی اب تمنا یہ ہے کہ مجھ بھکاری کی جھولی بھر دو۔ بڑا دکھ یہ ہے کہ دھیان، گیان، جاپ اور جوگ سب کچھ کیا مگر دِل کی کھوٹ نہیں جاتی۔ تم شیرِ خدا کے پوت اور سنسار کے تارن ہار ہو اپنی دیا سے میرے دُبدھا نکال دو۔ تو سدھ ہو جائے۔ ورنہ خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا کہ اس جنم میں جس کام کو آیا تھا وہ نہیں کیا۔

ارشاد ہُوا کہ نانک شاہ کی گرنتھ پڑھی ہے۔ ہری داس نے عرض کیا ہاں مہاراج اسی کی سیوا کر تو اپنا پوجا پاٹ جانتا ہوں۔ فرمایا " برم بچار کا پاٹ بھی پڑھا ہے۔ عرض کیا۔ جی ہاں داتا خُوب پڑھا ہے۔ دربار صاحب نے تو برم بچار کو اور تم جوگ لکھا ہے لیکن یہ بھی کہہ دیا ہے کہ یہ گانٹھ

جس نے کھولی گر منتر سے کھولی ہے۔

سرکارِ عالم پناہؒ نے فرمایا، جب اس قدر وسیع النظر ہو تو یہ حکایت بھی دیکھی ہو گی۔ پہلاد نے عالمِ ذوق میں برم یعنی معبودِ مطلق کا نام جپنا شروع کیا اور اس کے باپ نے جس کا نام ہرناکس تھا۔ یہ طریقہ اپنے مذہب کے خلاف دیکھ کر لائق اور پیشوی بیٹے سے نہایت غضبناک ہو کر کہا کہ خبردار کہ میرے آگے رام کا نام نہیں لینا ورنہ اس تلوار سے تیرا سر اُڑا دوں گا۔ جب پہلاد نے باپ کی یہ بے جا مخالفت دیکھی تو اس کو بھی جوش آگیا اور اسی حالتِ وجد میں اپنے باپ سے نہایت غضبناک ہو کر کہا کہ "مجھ میں رام، تجھ میں رام، کھڑک کھم سب میں رام۔ یعنی مجھ میں، تجھ میں، تلوار اور اس ستون میں خدائے واحد کا جلوہ ہے۔ ادھر پہلاد کی زبان سے اثباتِ الٰہی کی تعریف میں یہ الفاظ نکلتے ہی تھے کہ ستون پھٹ گیا اور اس میں سے برم کی صورت شیر کے چولے میں نمودار ہوئی۔ جس نے ہرناکس کو پارہ پارہ کر دیا۔

اس دیرینہ حکایت کا ماحصل یہ ہے کہ پہلاد برم شناس کو اپنے باپ ہرناکس باطل پرست کے جواب میں حقیقت کے اس سرِ مخفی کو علی الاعلان ظاہر کرنا مقصود تھا کہ حضرت واجب الوجود کی یہ جلیل القدر شان جس کو الوہیت کی کافی دلیل اور صمدیت کا عین برہان کہنا چاہیے کہ موجودات کا ہر ذرہ اس کی قدرت و قوت کا شاہدِ صادق اور اس کے صفاتِ جمیلہ اور صفاتِ جلیلہ کا شفاف آئینہ ہے جس کی آنکھ سے دُوئی کا حجاب اُٹھ جاتا ہے۔ اس کو ہر جگہ اور ہر چیز میں اس وحدہٗ لاشریک کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اور اسی سلسلۂ تقریر میں جو چیزیں پیشِ نظر تھیں۔ پہلاد نے ان کا حوالہ دیا اور ولولۂ حق پرستی میں بکمالِ صدق و یقین اشارہ کیا کہ مجھ میں، کھڑک میں، کھم میں نرنکار جوتی سروپ تجلّی موجود ہے ؎

وارثؒ یہ ہوئے جاتے ہیں قربان ہزاروں
اور زندہ ہوئے جاتے ہیں بے جان ہزاروں

چونکہ پہلاد کا یہ قلبی اقرار اور زبانی اشارہ از روئے تصدیق کامل تھا۔ اس لیے یہ بھی لازمات میں سے تھا کہ جس طرح موحد نے، عالمِ جوش اور حالتِ وجد میں اثباتِ قدرتِ الٰہی کا ایک باطل کے مقابلہ میں دعویٰ کیا تھا۔ اسی طرح ہر چہار اشیائے ممثلہ سے شانِ حضرت احدیت کا اظہار ہو

لیکن یہ نہیں ہُوا اور واقعہ یہ پیش آیا کہ برم کی صورت صرف ستون سے نمودار ہوئی اور باقی تین چیزوں سے کسی قسم کے غیر معمولی آثار ظہور پذیر نہیں ہوئے۔

بس یہی مقام قابلِ غور ہے اور پہلے تم کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اس میں کیا راز مضمر تھا کہ برم کا جلوہ جب کہ ہر چیز میں ہے تو پھر ستون کی کیا تخصیص تھی کہ اس میں سے برم کی صورت شیر کی برج میں ظاہر ہوئی جب اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی تب یہ حقیقت سود مند بھی ہوگی اور پہلاد کی حقانیت سے سبق آموز بھی ہو سکتے ہو۔

یہ سُن کر ہری داس متحیر ہو گئے اور آب دیدہ ہو کر دست بستہ عرض کیا کہ گوسائیں جی ہیچداں کی عقل عاجز اور ادراک قاصر ہے کہ برم کا ظہور ستون سے کیوں کر ہُوا۔ ہاں یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ وہی بھید ہے جس کو عرفِ عام میں گُرمنتر کہتے ہیں۔ اب مہاتما کرپا کر کے یہ گُر تمہیں سمجھا سکتے ہو۔ یہ کہہ کر رونے لگا اور چرنوں پر سر رکھ دیا۔

سلطان عالم پناہؒ کے کریمانہ مزاج کا دستور تھا کہ عموماً طالبین کی حالت پر بکمالِ شفقت عنایت فرماتے تھے اور وہ بھی اس عنوان سے کہ ہدایت ایسی کی جاتی تھی جو سائل کے حسبِ حال اور اس کے علم و مشرب کے مطابق اور عقل و ادراک کے موافق ہوتی تھی۔ مزید برآں ہری داس کے نیازمندانہ عجز نے اور بھی زیادہ متوجہ اور آمادہ کر دیا۔

چنانچہ آپؒ نے فرمایا، ہری داس تم کو یہ تو معلوم ہے کہ جس کے دل میں دو بدھ ہے اس کو برم کا درشن نہیں ہو سکتا بلکہ دیکھ لو کہ جب پہلاد کا خیال منتشر رہا۔ اور کبھی مجھ میں اور کبھی تجھ میں اور کبھی کھڑک میں کھٹا رہا۔ برم کی دید نہیں ہوئی اور جب کھم یعنی ستون پر آکر رُک گیا اور خیال ایک مستقر پر قائم ہو گیا تو برم کی صورت یعنی خدا کا جلوہ وہیں سے ظاہر ہو گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب انسان یقینِ کامل کے ساتھ ایک صورت کو مضبوط پکڑ لیتا ہے اور بجائے تذبذب اور تردد کے خیال میں سکون اور یکسوئی ہو جاتی ہے جس کو اصطلاحِ صوفیا میں تصدیق کہتے ہیں تو طالبِ راہِ خدا کی اسی صورت میں سدھ یعنی تجلیاتِ انوارِ الٰہی کا مشاہدہ ہوتا ہے اس لیے تصدیق ایسا رفیع المرتبت مقام ہے جو بارگاہِ ایزدی سے مقربینِ خاص کو تفویض ہوتا ہے اور اسی حالتِ قلبی کو بوعلی شاہ قلندرؒ نے "خیال پختہ کردن کارِ مردان است" سے تعبیر کیا ہے پس



جب تک خیال کو اطمینان اور استقلال نہیں ہوتا اسرارِ الٰہی سے باخبر ہونا محال ہے۔

ہری داس مکیف ہو گئے اور قدم بوس ہو کر عرض کیا کہ مہاراج بے شک اسی انچھر کا نام گرمنتر ہے جس نے میری تمام عمر کے اکتساب علم کو کھول دیا اب گوشائیں جی چیلا بھی کر لو۔

آپؒ نے فرمایا، "مرید بھی ہو جانا محبت ہی کافی ہے اگر محبت ہے تو ہزار کوس پر ہم تمہارے ساتھ ہیں جاؤ آج رہو کل چلے جانا۔"

ہری داس بے اختیار رونے لگے اور بکمالِ عجز و نیاز عرض کیا کہ مہاراج خالی ہاتھ تو نہ جاؤں گا کوئی انچھر بھی ایسا بتا دو کہ پرماتما کے دھیان میں مگن رہوں اور دوسرے کا خیال نہ آئے۔

سلطان قبلۂ عالمؒ نے مسکرا کر شغل سلطان الاذکار فرمایا اور یہ بھی بتاکید ارشاد ہُوا کہ جب تک کافی اطمینان نہ ہو جائے۔ اپنی ظاہری حالت بدستور قائم رکھنا۔

حق

ریاضت و مجاہدہ

مسلّمہ ہے کہ آپؒ زمانۂ طفولیت سے ریاضت و مجاہدہ کے پابند تھے۔ قبل آغازِ جوانی آپؒ تین دن کا روزہ رکھا کرتے تھے اور عرصہ تک سات دن کا روزہ بھی رکھا ہے۔ ان روزوں کی حالت میں آپ کی غذا نہ ہونے کے برابر تھی۔ بروایات حکیم رحمت علی صاحب پینے پوری و حضرت شاہ مقصود علی صاحب وارثی و حضرت حاجی شاہ منصب علی صاحب چشتی سلونی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین و دیگر بزرگانِ معتقدین متحقق ہیں کہ پہلے سفر میں حضور انورؒ نے جب مقاماتِ مقدسہ۔ کوہ عرفات و کوہ طور، کوہِ لبنان و غارِ ثور۔ غارِ حرا وغیرہ میں خلوت فرمائی ہے اور بیت اللہ و بیت المقدس و مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) و نجفِ اشرف و کاظمین شریف و کربلائے معلّٰی و بغداد شریف میں چلہ کشی کی ہے اور اسی سبب سے یک لخت بارہ سال تک اسی نواح میں رہے ہیں۔

یہ وہ واقعات ہیں جو محققین کی تحقیقات پر مبنی ہیں۔ آپؒ کے تمام ریاضت و مجاہدات کا علم نہیں ہو سکا۔ بظاہر جو باتیں دیکھی گئی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ شب و روز میں کبھی کسی نے حضورؒ کو سوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وقتِ استراحت اگر کسی کو کبھی خیال گذرا کہ آپؒ سو رہے ہیں تو فوراً آپؒ نے دریافت فرمایا کہ کون ہے؟ یہ بیشتر افراد کا تجربہ ہے۔ ابتدا میں آپؒ شب بھر کلامِ مجید اور نوافل پڑھنے کے عادی تھے۔ استراحت بھی نہیں فرماتے تھے۔

۳۶ سال کی عمر سے ۴۰ سال کی عمر تک آپؒ کو کبھی بوقتِ شب استراحت فرماتے ہوئے یا کسی سے بات کرتے ہوئے بھی نہیں دیکھا گیا۔ تمام شب کھڑے ہو کر نوافل پڑھتے تھے۔ اس زمانہ میں پائے مبارک بھی متورم ہو جاتے تھے۔

حضور انورؒ کی یہ حالتیں مستند بزرگوں کی چشم دید ہیں۔ خود آپؒ نے کبھی اپنے مجاہدے کا ذکر نہیں فرمایا۔ آپؒ کو اخفا بہت مدِنظر تھا اس لیے ممکن ہے آپ کے اکثر مجاہدات و ریاضتوں کا ہم کو علم نہ ہو اور وہ ان سے بھی زیادہ دشوار اور برتر ہوں۔

خدا کے واسطے ایک عضوِ خاص کو بیکار کر لو اور کام نہ لو۔ شیطان کو بغل میں رکھ کر یادِ خدا کرنا بڑا کام ہے۔ از نفس خود سفر کردن بہت بڑی منزل ہے' اس سے ظاہر ہے کہ حضرت کے تجرد میں کس قدر زبردست مجاہدہ کی شان تھی اور آپؒ کی نظرِ فیض اثر میں اس کی کیا اہمیت تھی۔ حق یہ ہے کہ آپؒ کی وسعتِ نگاہ نہایت ہی بلند پایہ رکھتی تھی۔ جو عام مقبول اور طبائع کے فہم و ادراک سے کہیں بالاتر ہے آپ نے بر سبیلِ تذکرہ ایک مرتبہ "لنگوٹ بند" کی یہ تعریف فرمائی کہ "لنگوٹ بند وہ ہے جو تمام عورتوں کو اپنی ماں اور بہن کی مثل جس طرح جانتا ہے اسی طرح خواب میں بھی۔ وہ کسی عورت کو نفسانی خواہش کے ساتھ نہ دیکھے"۔ ان ارشادات سے بالتصریح یہ امر مترشح ہے کہ حضور انورؒ کی باریک اور دقیق نظر میں تجرد کی کیا اہمیت تھی اور اصل تجرد دشوار اور ناممکن۔

حق یہ ہے کہ تجرد میں بھی جو قابلِ امتیاز شان آپؒ کی دیکھی گئی ہے وہ بے مثل ہے جس سے ثابت ہے کہ آپؒ کے مردِ میدانِ تجرید اور اس منزل میں بھی خدا کی طرف سے فردِ فرید تھے کہ مخالفین پر بھی آپؒ کے تجرد و تقدیس کا سکہ جما ہوا تھا۔ صرف شادی نہ کرنا ہی تجرد نہیں ہے بلکہ تمامی خواہشات اور عیش و نشاط کے باوجود قوت اور اقتدار ترک کر دینے اور ماسوا اللہ سے قطع تعلق کر لینے کا نام تجرد ہے اور یہی تجرد ہے جس میں آپؒ فردِ روزگار تھے۔ جس طرح تجرد میں آپ فردِ روزگار تھے۔ جس طرح تجرد میں آپؒ اپنی نظیر خود ہیں اسی طرح توکل و استغناء میں بھی جس قدر استقلال حضورِ انورؒ کی ذاتِ بابرکات سے ظہور میں آیا ہے وہ اپنی نوعیت میں ایک خاص شان رکھتا ہے۔

بحمد اللہ کہ عالم میں وہ نور العالمین آئے
ضیائے مرسلین آئے بنائے صادقین آئے

احترام و اہتمامِ روزہ داری

روزہ اسلام کا فرضِ عظیم اور ایمان کا ایک خاص رکن ہے۔ حضور قبلۂ عالمؒ کے مخصوص اعمال و اشغال کے علاوہ روزمرہ کی طاعات و عبادات میں سے روزے کو اگر گہری نظر سے دیکھتے ہیں تو اللہ جل جلالہٗ کے حکم کی جس طرح تعمیل فرمائی ہے۔ وہ آپؒ کے جذباتِ عشق کی بین دلیل ہے۔

گو آپؒ نے بہزار صدق و خلوص ماہِ صیام کے روزے آخری قیود و شرائط سے رکھے۔ مگر اس کے باوجود دیگر اہتمام ایسے احترام کے ساتھ فرمایا کہ ماہ صیام کی رویت سے پہلے مسجد میں چونا گردانی ہوتی تھی۔ کرنال شریف سے حافظ عبدالکریم صاحب وارثی جن کا مشہور حفاظ میں شمار تھا ختم قرآن کیلیے آتے تھے۔ شرکتِ تراویح کے واسطے ارادت مندوں کو بتاکید حکم ہوتا تھا اور روزانہ افطاری ہر خاص و عام کو تقسیم ہوتی تھی۔ کم از کم تیس مجلد اور قیمتی قرآن مجید لکھنؤ سے منگا کر نادار قرآن خوانوں کو عطا ہوتے تھے۔ خدامِ خاص کی خدمات میں آسانیاں کی جاتی تھیں۔ مقررہ خیرات جو روزانہ آستانہ پر تقسیم ہوتی تھی۔ اس میں کافی اضافہ ہوتا تھا۔ قصبے کے خاص شرفا کو حاجت مندوں کے گھروں پر کھانا بھیجنے کا فرمان صادر ہوتا تھا۔ آخر عشرہ میں غربا کو حسبِ حیثیت کپڑا تقسیم ہوتا تھا۔ اکثر مساکین کو نقد بھی دیا جاتا تھا۔ اہلِ خدمت کو انعام ملتا تھا۔ عید کے روز علی الصبح دودھ اور سویوں کا لنگر تقسیم ہوتا تھا۔

مختصر یہ کہ رمضان المبارک کا یہ خیر مقدم زبانِ حال سے شاہد ہے کہ حضور قبلۂ عالمؒ کو روزے سے خاص دلچسپی تھی۔ اور جیسے حضور قبلۂ عالمؒ کو خود یہ رغبت تھی کو بکمالِ شفقت آپؒ نے مسترشدین کو بھی روزہ رکھنے کی ہدایت متواتر اور بتاکید فرمائی چنانچہ اکثر ارشاد ہوتا ہے:۔

"روزہ ایسی گرانقدر عبادت ہے کہ روزے دار بندے کو خدا اپنے دوستوں میں شمار کرتا ہے۔"

اور یہ بھی فرمایا :

"خدا کی عین رحمت ہے کہ فاقہ جو اس کے نعمت خانہ میں محبوب غذا ہے۔ وہ ہر سال اپنے بندوں کو تیس روز تک مرحمت فرماتا ہے۔"

اور یہ بھی ارشاد ہُوا ہے :

کہ "روزہ گناہوں کو مٹاتا ہے۔"

اور یہ بھی فرمایا کہ :

"روزہ رکھنے سے نفس مغلوب ہوتا ہے۔"

اور یہ بھی فرمایا کہ :

"روزہ رُوح کی غذا ہے۔"

اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ :

"شوق سے روزہ رکھنا عاشقوں کی سنت ہے اور روزہ رکھنے سے خدا کی محبت بڑھتی ہے۔"

اکثر حضور قبلۂ عالمؒ نے اپنے فقراء کو دائم الصوم رہنے کا حکم فرمایا ہے اور جب کوئی دامی روزہ دار حاضر ہوتا تھا تو سرکار عالم پناہؒ اس کو بنظرِ شفقت دیکھتے تھے اور خادم خاص کو اس کی افطاری کے واسطے تاکید ہوتی تھی اور اکثر بطورِ ہمت افزائی یہ بھی فرماتے تھے کہ :

"ہم نے برسوں روزہ رکھا ہے۔ روزمرہ پانی سے افطار کرتے تھے اور ساتویں روز کھانا کھاتے تھے۔"

روزے دار اخوانِ ملت کی تعداد بکثرت ہے اس لیے بنظرِ اختصار چند نام لکھے جاتے ہیں : جناب رومی شاہ صاحب وارثی جو ترک تھے اور اپنے ملک میں فوج کے افسر تھے حضور انورؒ نے لباسِ فقر مرحمت فرماتے وقت حکم فرمایا کہ دائم الصوم اور قائم اللیل رہنا اور بعد افطار بھی صرف نمک سے نانِ جویں کھانا۔ اور ولائتی شاہ صاحب وارثی جن کے دیکھنے والے آدمی موجود ہیں حسب الحکم اجمیر شریف میں جھالرے سے مشکیزہ بھر کر لاتے تھے اور خلق اللہ کو پانی پلاتے تھے۔ ان کو سرکار عالم پناہؒ نے صوم داؤدی کا حکم فرمایا تھا کہ ایک دن روزہ رکھو اور دوسرے دن بے طلب جو بہم پہنچے بعد ظہر کے

حق

کھانا کیا کرو اور جس روز روزے سے ہو آستانۂ اقدس پر جاروب کشی کرو اور جس روز کھانا کھاؤ اس روز پانی پلاؤ۔ اور بی بی وارثیہ معروف اللہ والی جو آج تک اجمیر شریف میں صاحب باطن مشہور ہیں اور قبۂ انور کے مشرقی سمت ان کا مزار ہے جس روز سے داخل سلسلہ ہوئیں تاحیات روزہ دار رہیں۔ مسمات نصیبن وارثیہ ہمیشہ روزے دار رہیں اور کھانا تیسرے روز کھایا۔

رمضان شاہ وارثی فتح پوری۔ وہ ایسے اسم بامسمیٰ روزے دار تھے کہ روزہ افطار کرنے میں دار القرار کا سفر کیا اور حاجی فیضو شاہ صاحب وارثی نے چوبیس سال تک بارتک حیوانات روزہ رکھا۔

بابو کنہیا لال صاحب وارثی عرف غلام وارث وکیل علی گڑھ عرصہ دراز تک اس عنوان سے روزہ دار رہے کہ ہمیشہ وکالت کا کام بھی نہایت خوبی سے انجام دیا۔

اور یہ روزہ داری کی خصوصیت صرف ہندوستان ہی کے باشندگان کے واسطے موقوف نہیں ہے بلکہ دیگر ممالک میں بھی اگر تلاش کیا جائے تو حضور قبلۂ عالم رح کے ایسے حلقہ بگوش بھی ہیں کہ جنہوں نے اپنی خواہشات کو فنا کر دیا اور تمام عمر روزہ دار رہے۔ خصوصاً حجاز و عراق میں جہاں پرستارانِ وارثی کا شمار کرنا دشوار ہے وہاں تو ایسے عبادت گزار بے شمار گذرے ہیں کہ جو صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔

چنانچہ مظفر حسین وارثی امیٹھی۔ وکیل بھوپال ناقل تھے کہ مکہ معظمہ میں ایک جنازے کی نماز میں شرکت کا اتفاق ہوا۔ چونکہ مجمع بہت زیادہ تھا اور اکثر لوگ عقیدت مندانہ صورت سے مضطرب الحال نظر آئے تو میں نے اپنے معلّم سے دریافت کیا کہ یہ جنازہ کس بزرگ کا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حسن بدوی ان کا نام ہے۔ لیکن صائم الدہر تھے۔ اس واسطے شیخ صومی لقب ہو گیا تھا۔ حاجی وارث علی شاہ صاحب کے مرید تھے۔ کوہ صفا کے قریب ایک عریشہ میں رہتے تھے اور ایسی زاہدانہ زندگی بسر کی کہ بے طلب جو کچھ آجاتا تھا اسی دن اس کو تقسیم کر دیا کرتے تھے اور اس عمر میں بھی پا پیادہ طواف کرنے آتے تھے

مصنف "حیاتِ وارث" جناب شیدا میاں وارثی رح فرماتے ہیں کہ ۱۸۹۲ء میں جب میں مشہد مقدس گیا تو معلوم ہوا کہ آغا عبد العلی اثنا عشری جو پہلے یہاں ناظم توشہ خانہ تھے بوجہ پیری خانہ نشین ہیں وہ سرکار عالم پناہ رح کے مخصوص حلقہ بگوش ہیں یہ سن کر شوق ہوا کہ ان سے ملاقات ضرور کرنی چاہیے کہ اس روز اسی خادم آستانہ نے کہ جس سے صبح ان کا ذکر کیا تھا۔ عصر کے بعد یہ

خبر دی کہ اس وقت آغا ناظم روضۂ انور پر حاضر ہیں - مَیں فوراً گیا اور موصوف سے ملا - اُنہوں نے سلام کا جواب خندہ پیشانی سے دیا مگر غیر مانوس صورت دیکھی تو چہرے پر کچھ آثار تحیر نظر آئے - مَیں نے خود اپنا تعارف ان الفاظ میں کرایا کہ نا آشنا ضرور ہوں مگر اس خصوصیت کی وجہ سے ملنے آیا کہ مَیں بھی اسی بارگاہ کا ایک ادنیٰ غلام ہوں جن کے قدیم ارادتمندوں میں آپ کا شمار ہے - موصوف نے بکمال محبت معانقہ کیا اور نام و نشان سُن کے فرمایا کہ یہاں سیری نہ ہوئی اگر تکلیف نہ ہو تو مکان پر چلیے مَیں نے عذر کیا کہ میری حاضری کا وقت قریب ہے کل حاضر ہوں گا - کہا اچھا مگر چائے وہیں پینا -

دوسرے روز مَیں گیا تو ان کو منتظر پایا - باشفقت معانقہ کیا - اور ایران میں سرکار عالم پناہؒ کی تشریف آوری کا ذکر کرنے لگے - اسی اثنا میں خادم چائے اور ناشتہ لایا - ممدوح نے اپنے ہاتھ سے بنا کر ایک فنجان مجھ کو دیا - اور خود اسی مذاکرہ میں مصروف رہے - یہ دیکھ کر مَیں نے کہا کہ آپ چائے سے دست کش کیوں ہیں - فرمایا معذور ہوں جب داخل سلسلہ ہوا تو مجھے چار وقت کھاتے دیکھ کر ایک روز حضور قبلۂ عالمؒ نے فرمایا کہ تم کثیر الغذا کب سے ہو - عرض کیا کہ آب و ہوا کے اثر سے یہاں ہر شخص زیادہ کھاتا ہے اور ہضم ہوتا ہے - فرمایا : شکم سیری سے جس طرح تندرستی میں اضافہ ہوتا ہے اُسی طرح سے طالبِ خدا کی روحانی ترقی کے واسطے سدِّ راہ ہوتی ہے - برخلاف اس کے بھوک مفید اور معین الحال ہوتی ہے اور قلب کو صاف ہوا و حرص کو زائل اور علم کو پیدا کرتی ہے - مَیں نے عرض کیا جو حکم ہو - فرمایا : کچھ عرصہ تک تم مسلسل روزہ رکھو - آئندہ خدا کو جو منظور ہوگا وہ کرنا - گھبرانا نہیں -

اس روز سے مَیں روزے رکھنے لگا - تین سال کے بعد جب ایران کو آپؒ کی تشریف آوری سے عزت حاصل ہوئی تو مجھ کو صائم دیکھ کر فرمایا : عبدالعلی روزہ رکھنے سے کوئی تکلیف تو نہیں ہے عرض کیا - تکلیف کیسی افطار کے بعد تفریح ہوتی ہے - یہ سُن کر مجھے قریب بلایا اور شغل سلطان الاذکار فرما کر ارشاد ہوا کہ تم دائم الصوم ہو جاؤ - اور حضورِ انورؒ کی عنایت سے دونوں کام کرتا ہوں - اسی مناسبت سے روزے دار کے صوم حقیقی کی تعریف میں بلند منزلت اربابِ طریقت کے ارشادات منقول ہیں -

حق

حضرت ابوبکر شبلیؒ کا قول ہے کہ اہلِ محبت کا روزہ اغراض سے پاک ہونا ہے۔

اسی عنوان سے ہمارے قبلۂ عالمؒ نے شیخ محمد اسماعیل وارثی رئیس بلبھی کے ہاں مولوی عبدالکریم صاحب وارثی سے فرمایا:

"مولوی صاحب مشربِ عشق میں روزے کی حقیقی صفت یہ ہے کہ ترکِ غذا کے ساتھ خواہشات، غذا کے وسواس اور لذتِ غذا کی تمیز و احساس بھی فنا ہو جائے۔

حق

فنا فی الوارثؒ حضور میاں حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثیؒ

آپ کا واقعہ بیعت

آپؒ کی بیعتِ پاک کا واقعہ "مشکوٰۃِ حقانیہ" سے لیا گیا ہے۔ کیونکہ سرکار وارث پاک عالم پناہؒ کی کتب سیر میں یہ مجمل ترین کتاب تھی اور جیسا کہ مؤلف و مصنف "حیاتِ وارث" حضرت شیدا میاں صاحب وارثیؒ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱ پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مشکوٰۃِ حقانیہ جس کو مولوی فضل حسین صاحب وارثی صدیقی متوطن اٹاوہ (یو۔پی) نے بہ سعیٔ بلیغ اور اسناد مورخانہ طریق سے ۱۳۲۲ھ میں تالیف فرمایا اور مضامین کی ترتیب میں ایسی غیر معمولی جانفشانی فرمائی جس کی نسبت اگر یہ کہا جائے تو ہرگز بے جا نہ ہوگا کہ غلامانِ وارثی کے ایک کثیر گروہ میں اسی ایک حلقہ بگوش کا یہ ازلی حصہ تھا۔ جس نے اس گرانقدر اور ضروری خدمت کو نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

چنانچہ مشکوٰۃ حقانیہ میں مذکور ہے کہ آپؒ حضرت سیدنا شاہ شمس الدین صاحب قادری چشتی صابریؒ کے فرزندِ رشید ہیں۔ حضرت شاہ شمس الدین اس زمانے کے مشہور و معروف بزرگوں میں سے تھے۔ پیشتر حضرت حاجی غلام رسول صاحب خلیفۂ خاص جناب اخوند جیؒ سوات نیبری سے بیعت تھے اور اپنے پیر و مرشد کے حکم سے بارہ برس تک سیاحی میں رہے اور اس زمانہ سیاحت میں حج بیت اللہ بھی کیا۔

ہند و فقرا میں بھی عرصہ تک رہے۔ بعد سیاحت جب اپنے مرشد برحق کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ پیرانِ کلیر شریف میں حاضر ہو اور ۱۴۔ ربیع الاول کو بارہ بجے شب کو جو بزرگ مزارِ اقدس پر ملیں اُن سے بیعت ہو جاؤ۔ چنانچہ حضرت شاہ شمس الدین علیہ الرحمہ نے

حق

ایسا ہی کیا۔ مگر ان بزرگ نے بشکل تمام بیعت فرمایا اور حضرت سیدنا مخدوم پاک علاؤ الدین علی احمد صابرؒ کے مزار پر انوار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان کے سپرد ہو۔ اس کے بعد جو کیفیت گزری اس کا اظہار حضرت شاہ شمس الدین صاحب نے نہیں فرمایا بلکہ ایک غزل اسی رات میں تصنیف فرمائی تھی جس کا مطلع یہ ہے ؎

تصدق اپنے مرشد کے کہ جس نے ہم کو دکھلایا
جمالِ عارضِ زیبا علاؤ الدین صابرؒ کا

حضرت مولٰنا شاہ شمس الدین صاحب کا طریق درویشی سراپا عشق و محبت پر مبنی تھا۔ بڑے صاحب کمال درویش گزرے ہیں۔ سہارنپور اور پنجاب کی طرف آپؒ کے بکثرت مرید ہیں۔ چار بزرگوں کو خلعتِ خلافت سے بھی سرفراز فرمایا ہے۔

۱۱۔ ذیلقعد ۱۳۱۴ھ کا واقعہ ہے کہ جب آپؒ کی طبیعت ناساز ہوئی تو آپؒ کے صاحبزادہ بدر الدین صاحب نے درخواستِ بیعت کی شاہ شمس الدین صاحبؒ نے ان کی تسکین فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میرے پاس جو تمہارا حصّہ ہے وہ تم کو مل جائے گا مگر میں بیعت نہیں لوں گا میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ تم حضرت امام الاولیاء حاجی سید وارث علی شاہؒ صاحب قبلہ سے بیعت ہو جانا اور شادی نہ کرنا۔ اگر تم حضرت حاجی صاحب قبلہ سے بیعت نہ ہوئے تو میں قیامت میں دامنگیر ہوں گا۔ یہ بھی فرمایا کہ اس زمانہ میں حضرت حاجی صاحب قبلہ کے سوا کوئی فقیر نہیں ہے۔ ہاں بزرگ اور بھی ہیں اس وصیت کے دوسرے دن رحلت فرمائی۔ آپؒ کے صاحبزادے بدر الدین صاحب خود تحریر فرماتے ہیں کہ مجھ کو کچھ دنوں اس ارشاد کی یاد تازہ رہی پھر رفتہ رفتہ یہ خیال دل سے اُتر گیا۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۸ھ کو میں نے ایک خواب دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ تمہارے والد بلاتے ہیں اور اس قصبہ سے پورب کی طرف ایک باغ میں مقیم ہیں۔ ان کی جانب میں چلا تو دیکھا کہ راستہ میں ایک سانپ زمین کے دونوں جانب گھسا ہوا ہے اُس کو نکالنے لگا تو وہ نہیں نکلا۔ ایک شخص نے چاقو دیا کہ اس سے کاٹ دو تب نکلے گا۔ میں نے اس کو بیچ سے کاٹ دیا تو وہ باہر آگیا۔ پھر آگے بڑھا تو ایک دریا اس باغ سے اِدھر کو دیکھا۔ وہاں کوئی کشتی نہ تھی۔ میں نے گھبرا کر آواز دی کہ میں کس طرف سے آؤں۔ قبلہ صاحبؒ کو میں نے دیکھا کہ اس باغ میں ذکر کر رہے ہیں۔ میری آواز

حق

کو سُن کر میری جانب متوجہ ہو گئے اور فرمایا، پورب کے راستے سے آؤ گے تو مجھ تک پہنچو گے۔ اس کے بعد میری آنکھ کھُل گئی صُبح کو دل ہی دل میں مَیں نے اس خواب کی تعبیر خیال کی کہ بیعت ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

چنانچہ دیوی شریف میں حاضر ہُوا۔ بیعت ہونے کے بعد حضرت شاہ فضل حسین صاحبؒ وارثی سجادہ نشین شاہ ولایت کی خانقاہ میں مقیم ہُوا۔ جس وقت مَیں اپنے بستر پر آرام کرنے لگا۔ میرے دل میں وسوسہ پیدا ہُوا کہ حضرت حاجی صاحب قبلہؒ بیعت کرنا نہیں جانتے۔ سب کے سامنے مجھ کو بیعت فرما لیا۔ حالانکہ بیعت تنہائی میں ہوتی ہے۔ کیونکہ مَیں نے اپنے والد صاحبؒ اور دیگر بزرگوں کے طریقے دیکھے تھے۔ غرضیکہ اس قسم کے خیالات اور خدشات قلب پر گرتے رہے۔ صحن مکان میں ایک چبوترے پر شاہ فضل حسین صاحب وارثیؒ رونق افروز تھے انھوں نے مجھ کو خود بخود طلب فرمایا اور فرمایا کہ تم نے فقیر کہاں دیکھے ہیں۔ تمہارے والد صاحبؒ البتہ فقیر تھے۔ جو تم کو ایسا حکم دے گئے۔ کیا وہ خواب تم کو یاد نہیں ہے۔ وہ سانپ یہی خیال ہے اور چاقو ہماری باتیں ہیں۔ شاہ فضل حسین صاحب وارثیؒ کے ارشاد سے مجھے خواب یاد آیا۔ مَیں نے اپنے والد صاحبؒ کی وصیت اور خواب کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا تھا۔ حضرت شاہ صاحب کے اِس ارشاد سے میرے تمام خیالاتِ فاسد دور ہو گئے۔ اور اس خیال نے دِل میں گھر کر لیا کہ جب مرید اس قدر روشن ضمیر ہیں تو پیر کا کیا مقام ہوگا۔ مَیں اس خوف سے تمام دن بارگاہِ وارثی میں حاضر نہیں ہُوا۔ حضرت شاہ فضل حسین صاحبؒ نے شام کے وقت فرمایا کہ آج تم بارگاہِ عالی میں کیوں حاضر نہیں ہوئے۔ مَیں نے عرض کیا کہ خوف کی وجہ سے جرأت نہ ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ وہ کچھ نہیں فرمائیں گے، تم جاؤ، یہ تو ہمیں لوگ اوچھے ہیں جو کہہ دیتے ہیں۔ وہ بحرِ ذخار ہیں۔ مَیں اُن کے ارشاد سے بارگاہِ عالی میں حاضر ہُوا تو حضورِ انورؒ نے مجھے دیکھ کر تبسّم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ "جاؤ بچھراؤں میں ہمارے بہت مرید ہیں۔" حالانکہ اس وقت دو مرید ایک قادر شاہ صاحب اور دوسرے حافظ عبدالمجید صاحب تھے مگر اس ارشاد کا ظہور بعد میں ہُوا کہ اس وقت تقریباً دو شخص حضور کی غلامی کا شرف رکھتے ہیں۔ پھر حضورِ انورؒ نے تہ بند عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ کسی سے سوال نہ کرنا چاہیے دم نکل جائے اور اپنے والد کے مزار پر رہنا۔ اگر تم یہاں نہ آتے تو وہ قیامت میں تمہیں پکڑتے

پکڑے پھرتے۔" پھر حاضرین سے ارشاد فرمایا "یہ خاندانی فقیر ہوئے ہیں۔" اور اوگھٹ شاہ وارثی خطاب مرحمت ہُوا۔ آپؒ کو آخر زمانہ میں مکتوب نویسی کی خدمت سپرد تھی۔ حضورِ انورؒ کے ارشادِ عالی سے چند سال سیاحی بھی فرمائی ہے اور اس زمانہ کے اکثر بزرگوں سے ملے ہیں۔ بچھراؤں ضلع مرادآباد میں اپنے والد بزرگوار کے مزار پر حضور انورؒ کے ارشاد فیض بنیاد کے بموجب اور آخری دور میں جگدیش پور ضلع آرہ (بھارت) میں قیام رہا اور وہیں وصال فرمایا۔ وہاں سے میت مبارک دیوی شریف لائی گئی جہاں سے آپؒ کی ہمشیرہ محترمہ جنابہ صابرہ شاہ وارثیہ بچھراؤں لے آئیں اور اپنے آبائی خانقاہ شریف میں والدِ ماجد علیہ الرحمۃ کے پہلوے مبارک میں دائمی قرار و رحمت پائی۔

آپؒ حد سے زیادہ حلیم الطبع مزاجِ مبارک کے مالک تھے اور کسی سے زیادہ گفتگو نہیں فرمایا کرتے تھے۔ خاموشی زیادہ پسند فرماتے تھے۔ آپؒ کی ہر نظر چشمۂ فیضان تھی۔ آپؒ کے دستِ حق پرست پر بہت سے لوگ بیعت ہوئے اور آپؒ نے کئی رنگیں پوش (احرام پوش) درویش بنائے۔ جن میں سے ایک نصف پوش الحاج غیاث الدین صاحب وارثی علیہ الرحمۃ (دہلی شریف کے رہنے والے) تقسیمِ ہند کے بعد مستقل سکونت کراچی میں اختیار فرمائی جن کا وصال شریف چند سال ہوئے کراچی میں ہوگیا اور وہیں ان کا مزار ہے۔

نرگس اندر باغ حیراں از نگاہِ مستِ تو	مست آہو در بیاباں از نگاہِ مستِ تو
گل کند چاکِ گریباں از نگاہِ مستِ تو	خار دارد گل بداماں از نگاہِ مستِ تو
قمریاں کوکو نمایاں عندلیباں صد ہزار	در فراقِ یار نالاں از نگاہِ مستِ تو
گل منم، بلبل منم، پیشِ تو اے رشکِ چمن	گاہ نالاں گاہ گریاں از نگاہِ مستِ تو
حالِ جامیؔ را چہ پُرسی تر خوردہ در جگر	گاہ اُفتاں گاہ خیزاں از نگاہِ مستِ تو

مرا از تست ہر دم تازہ عشقے
ترا ہر ساعتے حُسنِ دگر باد

دوسرے میاں انوار شاہ صاحب وارثی علیہ الرحمۃ ہیں آپؒ کا وطن امرتسر (پنجاب بھارت) ہے۔ آپؒ نے بھی حضور پُرنور میاں حاجی اوگھٹ شاہ وارثی علیہ الرحمۃ سے بیعت و احرام کی سعادت حاصل کی۔ اپنے معاملات میں صحیح و ثابت قدم رہنے والے صابر و شاکر ہیں۔ کافی

حق

عرصے تک سیاحی میں رہے۔ چند سال ہوئے آپؒ کا بھی وصال شریف ہو گیا ہے اور مزار شریف جی۔ٹی روڈ سوتر ملز نواحی لاہور میں واقع ہے۔ آپؒ کے دستِ حق پرست پر بھی بہت لوگ بیعت ہوئے اور ایک دو کی رنگین پوشیاں بھی ہوئی ہیں۔

حضور میاں حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی علیہ الرحمۃ صاحبِ تصنیف بھی تھے آپؒ کا اُردو کا کلام بھی بہت مشہور ہے اور زبان زدِ عام ہے مگر آپؒ کے ہندی کے دوہے تو بہت ہی مشہور ہیں۔

نمونہ کلام

مِٹا کے ہستی جو بے نشاں ہو رہے اسی کو نشانِ وارثؒ
یہی ہے ایماں کہ لامکاں ہے قسم خدا کی مکانِ وارثؒ

کروں فِدا کیوں نہ دین وایماں خدائی ساری ہے زیرِ فرماں
لگا کے ٹھوکر جِلائے مردے خدا کی قدرت ہے شانِ وارثؒ

فصیح باتوں میں ہے جو لذّت نہیں شکر میں بھی یہ حلاوت
کہ رُوحِ سحباں ہو دنگ دشت شدر اگرچہ سُن لے بیانِ وارثؒ

کسی کی بھاتی نہیں کہانی کوئی خوش آتا نہیں ہے قصّہ
کسی کا سنتے نہیں فسانہ سوائے اِک داستانِ وارثؒ

نہیں ہے دیر و حرم سے مطلب کہ اپنا مشرب جُدا ہے اوگھٹؒ
ہماری مسجد ہمارا کعبہ جہاں میں ہے آستانِ وارثؒ

ایک خوش رُو سے محبت ہو گئی
دِل لگی کی اچھی صُورت ہو گئی

لاکھ پردہ کیجئے ہوتا ہے کیا
آپؒ کی ظاہر حقیقت ہو گئی

عشق بازی میں یہ آزادی ملی

دین و دنیا سے فراغت ہوگئی
سُنتے ہیں واعظ کی میخانہ میں آج
رہن دستارِ فضیلت ہوگئی
بُت پرستی کی خدا کو چھوڑ کر
کیسی اُلٹی اپنی قسمت ہوگئی
ہم کو کیا خوش رُو جہاں میں لاکھ ہوں
ہوگئی جس سے محبّت ہوگئی
لگ گئی کس کی خدا جانے نظر
کیسی برہم اپنی صحبت ہوگئی
اس کا بحرِ غم سے بیڑا پار ہے
جس پہ وارثؒ کی عنایت ہوگئی
اَب گلے مِل جاؤ اوگھٹ پیار سے
ہو چکا شکوہ شکایت ہوگئی

عجب تفرقہ عشق بازی میں دیکھا
کہ ہم ہیں کہیں دل ہمارا کہیں ہے
عیاں جزو کل میں یہ ہے جس کا جلوہ
میرے دل میں پوشیدہ وہ مہ جبیں ہے
کریں سیر کیوں بت کدہ کی نہ واعظ
وہاں کیا خدا کی خدائی نہیں ہے
بہانہ ہے یہ عرش اور لامکاں کا
حقیقت میں وہ میرے دل کا مکیں ہے
کیا جس نے یہ حال اوگھٹ ہمارا
جو دل لے گیا مفت وہ اک حسیں ہے

متھرا باشی کنور کنھیا موہن پیارے بنسی دھاری
جنم کے راجہ سندر چھیلا مور گسائیں شام بہاری

حق

بانکی سج دھج ٹھاٹھ انوکھے چنچل چال پیاری بتیاں
سانولی صورت نین رسیلے ترچھی چتون چھل بل نیاری

سب کے ساجن جگ کے داتا بگڑے کاج سنوارن ہارے
سائیں موری جھوری بھر دے تور دوارے ٹھاڑ بھکاری

احمدؐ بن کے دھرم بتایو حیدرؓ ٹھاٹھ میں زور دکھایو
کربل میں خود پیٹ جتایو مار لیو تم آپ کٹاری

وارثؒ روپ کیو جب راجہ دیوی نگری آن بسایو
گرو بنے آس بولت جگ میں تری جے سب زناری

اگم سمندر ناؤ نہ بیڑا رین اندھیری باٹ نہ جانی
وارثؒ داتا آن بچاؤ اوگھٹ راکھے آس تہاری

ہندی دوہے

۱۔ کان کھول اوگھٹؒ سنو پیا ملن کا راگ
تن تنبورہ سانس کے تارن باجے ہر کا راگ

۲۔ اوگھٹ پوجا پاٹ تجو لگا پریم کا روگ
ست گرو کا دھیان رہے یہی ہے اپنا جوگ

۳۔ نارائن کا انت نہ پایا مالا جپ کا کین
رام ملن کی سدھ سن اوگھٹ پھلے گر کو چین

۴۔ گرو ہمارا جنم کا راجہ گرو ہمارا آد
اوگھٹ گر تم منتر کو جاپو گرو کی راکھو یاد

۵۔ اوگھٹ چیلا وہی گنی جو بن گرو تجے نہ سانس
سوتے جگتے دھیان رہے گرو کو راکھے پاس

۶۔ دیکھے پنڈت سادھو جوگی سنت ساد ملنگ
پریم کا بھگتی ایک نہ پایا اوگھٹ چار النگ

حق

۷۔ اوگھٹ گھٹ میں پران بسے اور پران بیچ اک چور
جو پکڑے اُس چور کو وہ جوگی برجور!

۸۔ اوگھٹ رہو پریم کے بھگتی جب تک گھٹ میں پران
پُوجا کرو کرشن کا اور جمنا میں اشنان

۹۔ رام ملن کا لیکھا سُن لے ہاتھ گرو کا تھام
جگ کی ممتا من سے چھوٹے ملیں گے اوگھٹ رام

۱۰۔ اوگھٹ جوگ جوگی کرے رام ملن کی آس
پریم دھیان وہ جوگ ہے جو کرے دھرم کی ناس

۱۱۔ پَیں پاپن سن بانسریا گئی کرشن کے پاس
بانہہ گہے من موہ لیا اور کیں دھرم کی ناس

۱۲۔ رد کے کام کا منا اندری راکھے سادھ
سندر کے تب درشن کرے نہیں تو ہے اپرادھ

۱۳۔ پیتم تمرے سنگ ہے اپنا راج سہاگ
تم نہیں تو کچھ نہیں تم ملے تو جاگے بھاگ

۱۴۔ بانہہ گہی مجھ پاپن کی تب ایک بچن سن لیو
نس دن بپتا پڑے گسائیں اپنا درشن دیو

۱۵۔ سائیں ایسا گن کرو رہے نہ سوچ بچار
دکھ میں سکھ میں کلیں میں گاؤں بھجن تہار

۱۶۔ پیتم سوت سُندر سہی پر ہیں بھی تمری آس
بھُولے بھٹکے آؤ گسائیں کبھی تو ہمرے پاس

۱۷۔ اوگھٹ جوگی وہی گنی جو اپنی سُدھ بسرائے
گیان رہے اور دھیان رکھے اور سانس نہ خالی جائے

حق

حکیم مبارک حسین صاحبؒ کی بیعت کا واقعہ

حکیم مبارک حسین صاحب عربی و فارسی کے مشہور ادیب تھے۔ شاعر بھی تھے۔ تصوّف میں چند کتابیں نظم و نثر میں آپ کی تصنیفات سے زیادہ مقبولِ خاص و عام ہوئیں۔ آپ اپنی خرقہ پوشی کا واقعہ خود "عین الیقین" میں تحریر فرماتے ہیں جس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

۱۴۔ شوال ۱۳۰۷ھ کو جب کہ میری عمر تقریباً تیس برس کی ہو گی مجھے تہ بند عطا ہوا۔ مجھے بیعت مولانا سید فخر الدین احمد المعروف بہ حکیم بادشاہ نقشبندی علیہ الرحمۃ سے تھی۔ میں جب بنظرِ تحصیل و تکمیل فنِ طبابت الٰہ آباد گیا تھا۔ انہیں دنوں میں میری نقشبندیہ طریقہ سے تعلیم ہوئی تھی۔ میں نے کُتبِ طب بھی مولانا علیہ الرحمۃ سے پڑھی تھیں۔ جب تک مولانا زندہ رہے میں برابر خدمتِ عالی میں حاضر رہا۔ جب مولانا نے وصال فرمایا تو اجرائے مطب کے خیال سے پٹنہ رہنے کا اتفاق ہوا خلافِ مذاق آدمیوں کی صحبت نے بیکار کر دیا۔ چندے اپنے معمولات سے الگ ہو گیا۔ اسی زمانہ میں حضور پُر نورؒ عظیم آباد تشریف لائے اور خان بہادر سید فضل امام صاحب کے مکان پر قیام فرمایا۔ میں بھی خدمتِ عالی میں حاضر ہوا تو حکیم یعقوب صاحب خیر آبادی نے عرض کیا کہ یہ بڑے سیّاح ہیں بغداد شریف وغیرہ کی تمام سیر کر آئے ہیں۔ یہ سُن کر حضور انورؒ نے مجھ سے مبنیٰ کی کیفیت پوچھی۔ بغداد شریف، کربلائے معلّٰی اور نجف اشرف کا حال دریافت فرمایا۔ جہاں تک میرا علم تھا عرض کیا۔ اس کے بعد تین سال تک بدستور مطب وغیرہ میں مصروف رہا۔ اسی دوران میں مجھے کلکتہ جانے کا اتفاق ہوا۔ میرے اکثر اعزّہ وہاں تھے۔ ایک عزیز نے کہا کہ یہاں ایک درویش رہتے ہیں اُن سے ضرور ملو۔ میں اُن بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھتے ہی اُنہوں نے فرمایا۔

حق

گر نبودے ذاتِ حق اندر وجود
آب و گل راکے کنند ملکاں سجود

پھر اُن بزرگ سے مذاق آمیز گفتگو ہوئی۔ وقتِ رخصت شاہ صاحب نے فرمایا۔ تم نے بہت دیر کی پھر مل کے جانا۔ میں اپنے جائے قیام پر آکر کھانے وغیرہ سے فارغ ہُوا اور سو رہا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہی شاہ صاحب جگا رہے ہیں۔ چونک کر دیکھا تو اُن کو موجود پایا۔ اس کے بعد مَیں پھر سو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر شاہ صاحب کو بیدار کرتے ہوئے پایا۔ تین بار یہی کیفیت ہوئی۔ صبح کو ایک دوست کے ہمراہ شاہ صاحب کی خدمت میں گیا۔ دیکھتے ہی فرمایا کہ رات تو خوب سوئے۔ مَیں نے کہا۔ مہمان نوازی خوب کی پھر شاہ صاحب نے یہ کہہ کر رخصت کر دیا "تلاش کرد" مَیں رخصت ہو کر عظیم آباد آیا۔ یہاں وحشتِ دل اور بڑھ گئی۔ اکثر شب کو دریا کی طرف چلا جاتا۔ کبھی احباب میں جا بیٹھتا۔ ایک دن کچھ بزرگانِ دین کا ذکر آیا۔ تو میرا قصد ہُوا کہ مَیں اس زمانہ کے بزرگوں سے ملوں۔ چنانچہ اسی دن میں روانہ ہُوا اور پہلے دیوٰی شریف حاضر ہُوا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت امام الاولیاء سہالی تشریف لے گئے ہیں۔ اسی وقت سہالی گیا۔

یہ بستی دیوٰی شریف سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے۔ مَیں جس وقت قدم بوس ہُوا۔ حضورِ انورؒ نے متبسّم ہو کر ارشاد فرمایا "کہ آگئے اچھا جاؤ مزے کرو"۔ مَیں نے کچھ مطلب اس ارشاد کا نہ سمجھا۔ جہاں اور لوگ بیٹھے تھے وہیں مَیں بھی جا کر بیٹھ گیا۔ یہاں حضورِ انورؒ کے بعض اہلِ ریاضت فقراء کے حالات سُن کر اور بھی وحشت ہُوئی۔ پھر جب میری طلبی ہُوئی تو مَیں حاضر ہُوا۔ آپؒ نے ارشاد فرمایا۔ "جاؤ جاؤ یہاں دوئی کا گذر نہیں ہے۔ تم تو مرید ہو چکے ہو جاؤ اسی کو کرو"۔ اس ارشاد کو سُن کر مَیں نے اپنے دل میں کہا، خیر یہ اپنی قسمت یہاں نہ سہی کہیں اور سہی مگر جو سوال مکنونِ خاطر ہے اس کا جواب جب تک نہ ملے گا مَیں نہ جاؤں گا۔ پھر آپؒ نے طلب فرمایا اور دو تین باتوں کا جواب دے کر ارشاد فرمایا کہ "اچھا جاؤ ہفتہ عشرہ میں عظیم آباد آؤں گا تو تم سے ملوں گا"۔ مَیں حضورِ انورؒ سے رُخصت ہو کر الٰہ آباد پہنچا اس وقت یہاں چند فقراء کاملینِ وقت میں سے تھے جو مختلف اوضاع میں تھے۔ اُن سے

حق

ملاقات ہوئی۔ بالاتفاق سب نے یہی مشورہ دیا کہ استقلال سے نہ گزرنا اور نہ گھبرانا۔ اس کے بعد مَیں حضرت مولانا شاہ فخرالدین احمد رحمۃ اللہ علیہ (جن کے ہاتھ پر سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوا تھا) کے مکان پر آیا اور مولوی مسیح الدین صاحب جو مولانا کے صاحبزادہ اور جانشین ہیں۔ اُن سے ملاقات کی جناب موصوف کو مجھ سے دِلی ربط ہے نہایت عنایت فرماتے ہیں۔ مولوی صاحب سے عرض کیا کہ جب سے مولانا علیہ الرحمۃ نے وصال فرمایا ہے۔ میرے دِل کی عجب حالت ہے اب آپ میری دستگیری فرمائیے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ کہیں تم پر جناب امام الاولیاء وارثِ عالم پناہ حاجی سید وارث علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی نظر تو نہیں پڑی۔ مَیں نے عرض کیا۔ وہیں سے ہوتا ہُوا آیا ہوں۔ مولوی صاحبؒ نے فرمایا، اب زمانہ میں کون اُن کے برابر ہے۔ بہت مناسب ہے جہاں تمہارا حصّہ ہو کوشش کرو۔ ایک روز رہ کر سیدھا عظیم آباد چلا آیا۔ ایک ہفتہ کے بعد حضور پُرنورؒ عظیم آباد تشریف لائے مَیں حاضرِ خدمتِ عالی ہُوا تو فرمایا کہ "جاؤ"۔ اب جب میں حاضر ہوتا تو یہی فرماتے کہ "جاؤ جاؤ"۔ مَیں نے ایک ساقی نامہ لکھ کر پیش کیا تو آپ نے خوش ہو کر فرمایا کہ "تو ازلی شاعر ہے" اس کے بعد ایک ہولی کی فرمائش ہوئی۔ مَیں نے ہولی لکھ کر پیش کی۔

دو تین دن کے بعد حضور پُرنورؒ سیوان تشریف لے گئے مَیں بھی ساتھ ہُوا۔ جس وقت اسٹیشن سیوان پر آیا دل کی اور ہی حالت ہوئی۔ اس وقت کی عنایت و رحمت بیان سے باہر ہے دیکھا جو دیکھا اور سُنا جو سُنا۔ گورکھپور تک حضورِ انورؒ کے ہمراہ گیا۔ اس کے بعد حضورِ انورؒ سے رخصت ہُوا۔

دو تین مہینے کے بعد پھر حاضرِ خدمتِ عالی ہُوا تو فتح پُور میں شرفِ قدم بوسی نصیب ہُوا ایک مثنوی لکھ کر پیش کی۔ جس پر حضور پُرنورؒ بہت خوش ہوئے پھر ایک شجرہ عربی میں بہ تعمیلِ ارشادِ عالی لکھ کر پیش کیا۔ دیوٰی شریف تک حضور پُرنورؒ کے ساتھ گیا۔ اس کے بعد رخصت ہُوا۔ مَیں عظیم آباد واپس آیا تو دِل کو کمال انتشار رہنے لگا۔ ایسی حالت میں ایک مثنوی فارسی زبان میں مثنوی مولانا روم علیہ الرحمۃ کے طرز پر لکھنے کا اتفاق ہُوا۔ اس میں جو کچھ لکھا ہے اپنا واقعہ ہے۔ ایک شب کا ذکر ہے کہ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے لوگ زرد رنگ کا کفن پہناتے

حق

ہیں۔ مَیں نے اُن لوگوں سے دریافت کیا کہ کیا ماجرا ہے۔ زندگی میں کیوں کفن پہناتے ہو کہ اس اثنا میں کیا دیکھتا ہوں کہ بہت سے آدمی جنازہ لیے جارہے ہیں۔ مَیں نے پوچھا کس کا جنازہ ہے یہاں پر مجھے یاد نہیں کہ لوگوں نے کیا جواب دیا۔ مگر اتنا کہہ سکتا ہوں کہ آواز آئی، پانی لادو۔ مَیں جلدی سے پانی لے کر گیا تو دیکھا اپنا ہی جنازہ ہے۔ یہ خواب دیکھ کر سخت تشویش ہوئی۔

جب مثنوی فارسی ختم ہو چکی تو پھر حاضرِ خدمتِ عالی ہُوا۔ اب کے دیوٰی شریف میں شرفِ ملاقات نصیب ہُوا۔ حضورِ انورؒ مثنوی ملاحظہ فرما کر بہت خوش ہوئے۔ اتفاقاً اس شجرۂ عربی کو جسے مَیں نے لکھا تھا۔ آپؒ خود میرے سامنے پڑھنے لگے۔ اس وقت دِل قابُو سے جاتا رہا اور گریہ بے اختیار شروع ہو گیا۔ حضورِ انورؒ نے گلے سے لگا لیا۔ مَیں نے فوراً تہ بند کی تیاری کی اور جناب سید معروف شاہ صاحب و بے نظیر شاہ صاحب و مولوی بشارت حسین کے ہمراہ تہ بند لے کر حاضر ہُوا۔ حضورِ انورؒ نے اپنا احرام شریف مجھ کو مرحمت فرما کر ارشاد فرمایا "لو یہی کفن ہے اس کو پہن لو۔" اس وقت اس خواب کی تصدیق ہوئی۔ مَیں نے تہ بند باندھا اور ترکِ لباس کیا۔ آپ نے سید عبدالآد شاہ وارثی میرا نام رکھا۔ بزرگوں کی بات کوئی کیا سمجھ سکتا ہے یہ سب ازلی معاملات ہیں ورنہ کہاں مَیں اور کہاں یہ نعمت یہ سب آپؒ کی بندہ نوازی ہے۔ آپ بڑے صاحبِ نسبت درویش گزرے ہیں۔

آپؒ کے وصال کا واقعہ نہایت حیرت انگیز ہے۔ حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :

"جب آپ بیمار ہوئے تو دیوٰی شریف ہی میں تھے۔ نواب عبدالشکور خاں صاحب وارثی رئیس اعظم دھرم پور ضلع بلند شہر نے حضورِ پُر نورؒ کی خدمتِ عالیہ میں درخواست کی کہ اگر حکم ہو تو ان کو مَیں اپنے مکان پر لے جاؤں اور علاج کراؤں حضورِ انورؒ نے جواب دیا کہ "تمہارے بھائی ہیں تمہیں اختیار ہے۔" نواب صاحب موصُوف سید عبدالآد شاہ صاحب وارثی کو دھرم پور لے گئے اور متعدد طبیبوں کو دکھایا مگر سب نے متفقہ طور پر زیست سے نااُمیدی کا اظہار کیا، کیونکہ مرض لاعلاج ہو چکا تھا۔ حکیم عبدالآد شاہ صاحب جس مکان میں ٹھہرائے گئے تھے۔ ایک مولوی

حق

صاحب بھی اسی مکان میں رہتے تھے۔ جن کو حکیم عبدالآد شاہ صاحب سے بہت اختلاف تھا اور ان کے طریقِ درویشی کو نہایت مخالفانہ نظر سے دیکھتے تھے۔ اس وجہ سے مولوی صاحب نے اُن کی قربت وعیادت سے بھی احتراز کیا اور سید عبدالآد شاہ صاحب کے جائے قیام سے کسی قدر فاصلہ پر ایک مکان میں اقامت فرمائی۔ دوسرے دن قریب تین بجے کے سید عبدالآد شاہ صاحب کا وصال ہو گیا۔ نواب عبدالشکور خاں صاحب وارثی اپنے باغ واقع شکور گنج میں مزار مبارک کے لیے جگہ تجویز کرنے کو تشریف لے گئے۔ یہ باغ نواب صاحب کی کوٹھی سے تھوڑے فاصلہ پر ہے۔ یکایک سید عبدالآد شاہ صاحب کے قلب سے ایک آواز پیدا ہوئی جو رفتہ رفتہ اس قدر بلند ہوئی کہ جس کمرہ میں مولوی صاحب موجود تھے وہاں تک پہونچی۔ یہ اللہ اللہ کی آواز تھی۔ اس وقت بہت مجمع ہو گیا تھا۔ نواب عبدالشکور خاں صاحب نے یہ ماجرا دیکھ کر ایک جوابی تار دیوٰی شریف حضور پُر نور کی خدمتِ بابرکت میں ارسال کیا۔ میں نے اِس تار کا مضمون حضورِ انور رح کی خدمتِ عالی میں عرض کیا تو آپ رح نے ارشاد فرمایا کہ جواب دے دو:

ع "سپُردم بتو مایۂ خویش را"

جس وقت یہ جواب دھرم پُور پہنچا۔ نواب صاحب نے سید عبدالآد شاہ صاحب کی میت مبارک کے قریب یہ ارشاد سنایا تو وہ آواز بند ہو گئی۔ یہ ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ کا واقعہ ہے۔ ۳ بجے سے ۷ بجے شام تک چار گھنٹہ یہ آواز جاری رہی۔ بعدازاں نواب صاحب کے باغ میں دفن کیے گئے اور مزار مبارک نہایت عمدہ اور خوب صورت بنایا گیا۔"

آپ کا فارسی کلام جو نہایت مقبول رہا ہے۔ تبرکاً ایک چیز پیش کی جاتی ہے ؎

ساقیا بنگر ہمہ ایں عالمِ ایجاد مست — بادہ مست و جام مست و مطرب و استاد مست
مستیٔ روزِ ازل رنگِ دگر پیدا نمود — سبزہ مست و سرو مست و قمری و شمشاد مست
جوششِ مستی چوں عَلَم زد بر دل و بر سینہ ہا — کوہ مست و کاہ مست و وامق و فرہاد مست

حق

مستیٔ مستانِ وحدت مست کردہ در نظر	آب مست و خاک مست و آتش و ہم باد مست
مست مستِ بادۂ روزِ الستاں را ببیں	حُسن مست و عشق مست و عاشقِ ناشاد مست
ایں چہ مستیہاست پیدا یارب اندر ایں جہاں	تیغ مست و خلق مست و مفتی و جلاد مست
رُخ سوئے صحرا بکن در خیلِ مستاں کن نظر	نعرہ مست و آہ مست و نالہ و فریاد مست
بوالعجب ایں ماجرائے جوشِ مستی بوالعجب	درد مست و رنج مست و خود ستم ایجاد مست
ذوقِ مستیٔ حلاوت تازہ بنگر در جہاں	ہجر مست و وصل مست و سہو مست و یاد مست

عالمے را مست کردہ ایں شرابِ وارثیؒ
لیلیٰ و مجنوں مست و شاہ عبدالآد مست

ایک دفعہ دربارِ وارث پاکؒ کے خدام و مریدین و زائرین بارگاہِ عالی میں موجود تھے کہ نادر شاہ کابلی آستانہ عالی پر حاضر ہوئے اور حضور پُر نور کو دیکھتے ہی جوشِ محبت سے نہایت بے تکلفانہ انداز سے لپٹ گئے۔ ہم لوگوں کو ان کی اس حرکت پر تعجب تھا مگر حضورِ انورؒ کے خلقِ عظیم سے واقف تھے اس لیے ساکت و دم بخود رہے۔ نادر شاہ نے حضورِ انورؒ سے اپنی زبان میں کچھ عرض کیا۔ جس کا جواب حضورِ انورؒ نے انہیں کی زبان میں ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد وہ باہر چلے آئے۔ جب ان کے ساتھ ہم لوگوں کی نشست ہوئی تو اُن سے گفتگو کا موقع ملا۔ انہوں نے بیان کیا کہ مکان، علی مسجد سرحد کابل میں ہے۔ نادر شاہ نام ہے ہم سات بھائی ہیں۔ مجھ کو عبادت کا شوق ہے۔ عرصہ دراز سے میرا یہ خیال تھا کہ کاش کسی کامل کی زیارت ہو۔ میں دعائیں مانگتا تھا اور ہمہ تن آرزو تھا کہ مجھے کسی طرح یہ معلوم ہو جائے کہ اس وقت بھی کوئی جناب علی المرتضیٰ شیرِ خدا کا جانشین ہے میں اس میں بالکل منہمک ہو گیا اور عیش و راحت جاتی رہی۔ بس یا علیؑ وظیفہ تھا۔ ایک شب کو میں نے دیکھا کہ دو بزرگ مسجد میں تشریف لائے۔ جن میں سے ایک بزرگ نے دوسرے بزرگ کی طرف دیکھ کر اشارہ فرمایا کہ یہ اس وقت میرے جانشین ہیں اور ان کا نام وارث علیؒ ہے ؎

خاک کو ایک نظر اُن کی بنائے اکسیر
قطرہ ان ہاتھوں میں آجائے تو دریا ہو جائے

حق

ہندوستان میں قیام ہے۔ جب میری آنکھ کھلی۔ تو مَیں نے دیوانوں کی طرح ہر ایک سے دریافت کرنا شروع کردیا ؎

کس ندانست کہ منزل گہ مقصود کجا است

سب میری وحشت پر مضحکہ کرتے تھے اور مجھ کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ کس شہر میں قیام ہے۔ آخر مَیں نے خدا پر بھروسہ کرکے ہندوستان کا رُخ کیا اور راولپنڈی۔ لاہور دیکھتا ہُوا دہلی آیا ؎

کہاں کہاں لیے پھرتی ہے جستجو تیری

جامع مسجد دہلی میں جمعہ کی نماز کے لیے گیا۔ جن بزرگ کی طرف جناب علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کا اشارہ ہُوا تھا۔ مَیں ان کا لباس پہچانتا تھا۔ جامع مسجد دہلی میں نمازِ جمعہ کے بعد میں دروازہ پر کھڑا ہوگیا مجھ کو اسی لباس کے ایک درویش نظر آئے۔ نہایت اضطراب و شوق سے اُن کے پاس گیا اور نام پوچھا انہوں نے معصوم شاہ نام بتایا۔ مَیں نے اُن سے دریافت کیا کہ آپ کو یہ لباس کہاں سے ملا۔ انہوں نے دیوٰی شریف ضلع بارہ بنکی (یو۔پی بھارت) کا پتہ بتایا۔ مجھے نہایت مسرت ہوئی اور مَیں دہلی سے یہاں حاضر ہُوا اور حضور کو دیکھتے ہی پہچان لیا ؎

شمعِ ایوان جہاں تیرے سوا کوئی نہیں
وارثِ کون و مکاں تیرے سوا کوئی نہیں

کہ یہی وہ مبارک صورت ہے جو جناب علی المرتضیٰؓ نے دکھائی تھی۔ اس کے بعد نادر شاہ کابلی دستِ حق پرست پر بیعت ہُوئے اور اُنہوں نے عربی و فارسی اور اُردو کے شجرے شریف طلب کیے اور فرطِ انبساط سے عرض کرنے لگے کہ لوگ میرے خیال پر مضحکہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس وقت زمانے میں کوئی ایسا نہیں ہے مَیں ان لوگوں سے کہوں گا اور یہ شجرے شریف دکھاؤنگا کہ مَیں اپنی تمنّا میں کامیاب ہُوا۔

حق

شجرہ شریف قادریہ وارثیہ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِقَدْرِ حُسْنِہٖ وَجَمَالِہٖ

الٰہی سرورِ عالم مرا ایمان ہو جائیں — علیؓ المرتضیٰ مشکلکشائے جان ہو جائیں
شہِ شبیرؑ و عابدؑ حسرت وارمان ہو جائیں — حضورِ باقرؑ و جعفرؑ ہماری جان ہو جائیں
شہِ کاظمؑ شہِ موسیٰؑ رضا پر دِل تصدق ہو — شہِ معروفؒ کرخی ہسریؒ سقطی جان ہو جائیں
جنیدؒ و شبلیؒ عبدالواحدؒ و بوالفرح طرطوسیؒ — علیؒ و بوالحسنؒ سے جان کے پیمان ہو جائیں
حضورِ بوسعیدؒ و غوثِ اعظمؒ روح ہوں میری — شہِ رزاقؒ سر پر سایۂ ایمان ہو جائیں
شہِ سیّد محمدؒ، سیّد احمدؒ اور علی عارفؒ — شہِ موسیٰؒ شہ حسنؒ ارمان ہو جائیں
جنابِ شیخ بوالعباسؒ دل میں جاگزیں ہو جائیں — بہاؤالدینؒ قسیمِ بادۂ عرفان ہو جائیں
شہِ سیّد محمدؒ اور جلالِؒ قادری حق ہیں — شہِ میراں فریدِ بھکریؒ ارمان ہو جائیں
حضور شاہ ابراہیمؒ ملتان دین پناہ بن جائیں — حضورِ شہِ ابراہیمؒ بھکر جان ہو جائیں
امان اللہؒ حسین شاہِ ہدایت اور حبیب احمدؒ — شہِ عبدالصمدؒ سرچشمۂ فیضان ہو جائیں
شہِ رزاقؒ و اسمٰعیلؒ حضرت شاکر اللہ ہم — نجات اللہ میرے منبع فیضان ہو جائیں
حضور حاجی خادم علیؒ شاہ نورِ ایمان ہو جائیں — وہی دل کی تمنا ہوں وہی ارمان ہو جائیں

حضورِ وارثؒ عالم پناہ ہوں زندگی میری
مری آنکھیں نثارِ بیدمؒ ذی شان ہو جائیں
رہے تا حشر حیرتؒ اپنی سرکاروں کا تحیر
وہی آئینہ دارِ حیرتِ حیران ہو جائیں

حق

شجرۂ عالیہ چشتیہ وارثیہ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نُوْرَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ -

الٰہی مجھ کو سرکارِ دو عالم کی زیارت ہو
علی المرتضیٰؓ مشکلکشا کی مجھ پہ رحمت ہو

حسن بصریؒ و دلعدؒ اور فضیلِ حقؒ نہال جائیں
اور ابراہیم ادہمؒ فیضِ عالم کی کفالت ہو

سدید الدینؒ حذیفہ اور امین الدینؒ ہبیرہ ہم
جناب فیض بخشِ پرضیا کی مجھ پہ شفقت ہو

ابو اسحاقؒ اور خواجہ ابی احمدؒ کرم فرمائیں
جناب ناصرِ دیں کی مرے دل میں محبت ہو

ابو یوسفؒ جناب قطبِ دیںؒ پشت پناہ ہو جائیں
شریف زندنیؒ کی حال پر میرے عنایت ہو

حضورِ خواجہ عثمان ہارونیؒ پہ دل قربان
وہی نورِ بصیرت میری آنکھوں کی بصارت ہو

غریبوں بے نواؤں کے شہنشاہ خواجہ اجمیرؒ
معین الدینؒ سلطانِ طریقت کی حمایت ہو

نظام الدین محبوبِ الٰہی کی غلامی ہو
گدا ہوں ان کے در کا بس نہیں کی چشمِ رحمت ہو

نصیر الدینؒ، کمال الدینؒ، سراج الدینؒ، علیم الدینؒ
شہ محمود راجنؒ اور جمال اللہؒ کی شفقت ہو

شہ محمودؒ اور خواجہ محمدؒ، خواجہ یحییٰؒ
کلیم اللہؒ، نظام الدینؒ کی مجھ پر عنایت ہو

کرم فرمائیں حالِ زار پر مولانا فخر الدینؒ
جنابِ قطبِ دیںؒ کی نقشِ دل پر میرے صورت ہو

جمال الدینؒ، عباد اللہ بلند رامپوری بھی
شہِ خادم علیؒ کا نقشِ پا میری طریقت ہو

ہماری زندگی کی جاں اور روحِ رواں وارثؒ
ہمارے مالک و رہبر کی ہم پہ چشمِ رحمت ہو

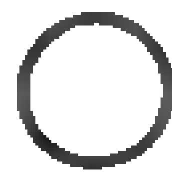
نثارِ وارثِؒ حق شاہِ بیدمؒ صاحبِ عرفان
حقیقت آشنائے باصفا کی ہم پہ شفقت ہو

میری حیرت بروزِ حشر ہو بس آپ کی حیرتؒ
کہ دامن پنجتن کا سایہ دارِ فرقِ حیرت ہو

حق

شجرہ عالیہ وارثیہ

محمدؐ گُل است و علیؓ بُوئے گُل
بُود فاطمہؓ اندریں برگِ گُل
زعطرش برآمد حُسینؓ و حسنؓ
و رُوحِ زعطرش یکے گُل بدن
معطّر زخوشبُوئش ارض و سماں
و نامیست وارث علیؒ در جہاں



حق

وصالِ شریف

سرکار وارثِ عالم پناہ رح

سجن سکارے جائیں گے اور نین مریں گے روئے
بدھنا ایسی کیجیو کہ بھور کبھو نا ہوئے
(بخشیٔ ہند بو علی شاہ قلندر رح)

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم کہ بہار آخر شد

اِنَّ اَولیاءَ اللہ لا یَمُوتُونَ بَل یَنقِلُونَ مِن دَارٍ اِلیٰ دَار -
(ترجمہ: اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں نقل کرتے ہیں)

اے خضرؑ چشمۂ حیواں کہ برآں می نازی
بود یک قطرہ ز دُردِ تہ پیمانۂ ما!
(بخشیٔ ہند بو علی شاہ قلندر رح)

ہم مریں تو ہر مرے ہمری مرے بلائے
سانچے گرو کا بالکا مرے نہ مارا جائے

سلسلۂ وارثیہ کے میر کارواں سرکار وارثِ عالم پناہ علیہ الرحمۃ۔ آپؒ کا سلسلۂ طریقت اہل بہشت اہل بیتِ کرام علیہم السلام سے شروع ہوتا ہے جو قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔

حق

صلی اللہ علی محمد وعلیٰ آلہٖ وسلّم

سرکار پاک علیہ الرحمۃ کا وصال شریف، دیوٰی شریف میں آخر شب چار بجکر تیرہ منٹ پر بعمر چھیاسی سال یا اٹھاسی سال میں ہوا اور یکم صفر ۱۳۲۳ھ کو اپنے آباؤ اجداد کی یہ سنّت ادا کر کے حدود و تعینات سے گزر کر اس نقطۂ سرمدی سے واصل ہو گئے جو فی الحقیقت وجودِ مطلق اور وارثِ حقیقی ہے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیہِ راجعون ط

دراصل حقیقت یہ ہے کہ جو قطرہ دریا سے جُدا ہو کر قطرہ کہلایا تھا دریا سے واصل ہو کر دریا ہو گیا اور یہی وجہ ہے کہ وارثی پرستار، وارثِ پاک علیہ الرحمۃ کو زندہ جاوید اور باقی گردانتے ہیں اور جن کو سرکار پاکؒ سے حقیقی عقیدت ہے اور سچی محبت ہے اور ان کی چشمِ دل بینا ہے اب بھی وارثِ پاکؒ کے جلوؤں سے دنیا کو منوّر پاتے ہیں اور ہر جگہ اور ہر وقت اپنے وارث کو دیکھتے ہیں اور جملہ فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے ہیں اور تا ابد ہوتے رہیں گے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ انسان جس سے محبّت کرتا ہے اسی کی باتیں کرتا ہے اور اسی کی تصویر سامنے رکھتا ہے۔

آپؒ کا مزار اقدس قصبہ دیوٰی شریف ضلع بارہ بنکی (یو۔پی۔ اودھ) میں ہے۔ ضلع بارہ بنکی سے دیوٰی شریف کا فاصلہ تقریباً سات میل ہے پختہ سڑک جاتی ہے۔ اور فیض آباد جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ بارہ بنکی سے نکلتے ہی آپ کا مزار پرانوار دکھائی دینے لگتا ہے۔ اور آپؒ کے مزار کی ساخت و تعمیر بھی عجیب قسم کی ہے۔ تعزیہ کی شکل کا ہے۔ دروازے چاندی کے ہیں اور گنبد مبارک سبز رنگ کا ہے اور گنبد پر سونے کا کلس چڑھا ہوا ہے اور مزار کے اندر فرش اور دیواریں سنگِ مرمر سے تعمیر کی گئیں ہیں اور دیواروں پر قدآدم آئینے لگے ہوئے ہیں جس سے زائرین باہر آنے کا راستہ اکثر بھول جاتے ہیں۔ مزار کے اردگرد حجرے بنے ہیں جس میں زائرین کے قیام کے لیے انتظام ہے اور دو بڑے بڑے دروازے بنے ہوئے ہیں۔ عُرس کے ایّام میں ہر ایک کو لنگر مہیا کیا جاتا ہے اور آپ کا عرس پاک ماہِ صفر میں ہوتا ہے جو آٹھ دن تک جاری رہتا ہے۔ دُور دُور سے لوگ حتّیٰ کہ غیر ممالک سے بھی زائرین حاضری چڑھانے کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔

عُرس ماہِ کاتک

کاتک کا عُرس پاک سرکار وارث پاک علیہ الرحمۃ کے والدِ بزرگوار حضور میاں قربان علی شاہ علیہ الرحمۃ

حق

کا ہوتا ہے جو سرکار پاکؒ اپنی حیاتِ مبارک میں کروایا کرتے تھے ؂

کھِل جاتی ہیں کلیاں دِل میں خود ہی شادمانی کی
یہاں بکتی نہیں بٹتی ہے دولت کامرانی کی

حدیثِ قدسی ۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حیاتی خیر الکم و مماتی خیر الکم

(ترجمہ : میری حیات بھی تمہارے لیے خیر و برکت تھی اور میری موت بھی تمہارے لیے خیر ہی رہے گی)

سلامِ فراقیہ

خدا کے فِدائی ، محمدؐ کے شیدا ، سلامٌ علیکم سلامٌ علیکم
علیؓ کے دلارے ۔ دِل وجان زہراؓ ، سلامٌ علیکم سلامٌ علیکم
شہِ وارثؒ جلوہ آرائے دیویٰ ، سلامٌ علیکم سلامٌ علیکم

نگاہوں کی حسرت دِلوں کی تمنّا ، سلامٌ علیکم سلامٌ علیکم
طبیبِ غم و دردِ جانِ مسیحا ، سلامٌ علیکم سلامٌ علیکم
شہِ وارثؒ جلوہ آرائے دیوٰیؒ سلامٌ علیکم سلامٌ علیکم

کہاں اب وہ گلشن کہاں اب وہ خوشبو، صدا قمریوں کی کہاں اب وہ کوکو
یہ عالم ہے جب سے کیا تم نے پردا سلامٌ علیکم سلامٌ علیکم
شہِ وارثؒ جلوہ آرائے دیوٰی سلامٌ علیکم سلامٌ علیکم

تصور میں حاصل ہے لطفِ نظارہ ، وہ سرکارؒ نے جیسے آکر پکارا
صدا آئی افقر سلامی کو آیا ، سلامٌ علیکم سلامٌ علیکم
شہِ وارثؒ جلوہ آرائے دیوٰی سلامٌ علیکم سلامٌ علیکم

(افقر موہانی وارثی)

حق

متاعِ حسنِ جاناں بس گراں است
گریں سودا بجاں بودے چہ بودے (امیر خسروؒ)

سرکارِ وارثِ عالم پناہؒ کے زرّیں ارشاداتِ عالیہ

فقرائے وارثی (احرام پوشاں) کا دستورِ حیات

فقیروں کو احرام دیتے وقت اکثر زبانِ گوہر بار سے فرمایا:

"لو یہی لباسِ زندگی ہے یہی کفن" چنانچہ فقرائے وارثی اسی احرام کے کفن میں دفن ہوتے ہیں۔

"فقیر کو لازم ہے کہ ماسوائے اللہ کے کسی سے سوال نہ کرے اور غیر اللہ سے سوال کا خیال و احساس بھی حرام ہے۔"

"فقیر وہ ہے جو کل کے واسطے جمع نہ کرے۔"

"تخت، پلنگ، مونڈھے اور کرسی پر نہ بیٹھنا۔ ان پر بیٹھنے سے رعونت کو تحریک ہوتی ہے جن کا ذکر دائمی ہوتا ہے وہ زمین پر سوتے ہیں۔ زمین پر بیٹھنا اور سونا ہمارے دادا کی سنّت ہے۔"

"فقیر خدا کا عاشق ہوتا ہے اور عاشق کو چاہیے کہ وہی کرے جو معشوق کی رضا ہو۔ نہ مانگے نہ انکار کرے اسی کا نام تسلیم و رضا ہے۔"

تو دستگیر شو اے خضرؑ پئے خجستہ کہ من
پیادہ می روم و ہمراہاں سوار آنند (حافظ شیرازی)

"محبت کرو اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ۔"

"چمار ہو یا خاکروب جو ہم سے محبت کرے وہ ہمارا ہے۔ بے محبت خدا نہیں ملتا۔"

"پیر کی محبت مرید کا دین ہے۔"

"عشقِ صادق کی تعریف یہ ہے کہ عاشق روح بلا نفس رہ جائے اور جب تک اس میں

حق

نفس ہے وہ عشقِ الٰہی کا مزہ نہیں چکھ سکتا۔"

"آدابِ عشق یہ ہے کہ راہِ طلب میں فقیر ننگے سر اور پا برہنہ رہے۔"

"پیر بہت ہیں مرید مشکل سے ملتا ہے۔ مرید ہونا چاہیے مرید ہو تو پیر کے سینہ پر چڑھ کر حاصل کر سکتا ہے۔ پیر کو رسمی مرید بہت ملتے ہیں مگر بامراد قسمت سے ہاتھ آتا ہے جیسے حضرت ابو سعیدؒ کو حضور غوث الاعظمؒ۔ حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ عثمان ہارونیؒ کو چشتی پیر کرم کرتار "خواجہ معین الدین چشتیؒ"۔ حضرت بابا صاحبؒ کو حضرت سلطان جی نظام الدینؒ اولیا محبوبِ الٰہی اور محبوبِ الٰہیؒ کو امیرِ چشت امیر خسرو علیہ الرحمۃ اور حضرت مخدوم بہاریؒ کو مولانا مظفر علیہ الرحمۃ۔"

"پیر کی صورت میں خدا ملتا ہے جو پیر کی شکل ہے یہی سب کچھ ہے۔ پیر کی ذات میں فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول کا مرتبہ مل جاتا ہے۔" ؎

رُخ ایں جا مظہرِ نورِ خدا ئیست

پیرِ کامل صورت ظلِّ الٰہ

یعنی دید پیر دید کبریا

؎ چوں تو کردی صورتِ مرشد قبول

ہم خدا آمد بذاتش ، ہم رسولؐ

؎ اولیاء اللہ ۔ اللہ اولیاء

ہیچ فرقے درمیاں نبود روا

"پیر کی صورت ہر وقت سامنے رہے اور وہی صورت ہر جگہ نظر آنے لگے یہی فنا فی الشیخ ہے۔"

"ایک صورت کو پکڑ لو۔ وہی صورت تمہارے ساتھ یہاں رہے گی اور وہی قبر میں اور وہی حشر میں ساتھ رہے گی۔" فرمایا: جس کے تصور میں مرو گے اسی کے ساتھ حشر ہو گا۔"

"خدا محض آسمان پر نہیں ہے ہم تم میں چھپ کر سب کو وسوسے میں ڈال دیا ہے۔ بس ایک صورت پکڑ لو۔ خدا مل جائے گا۔" فی انفسکم افلا تبصرون

؎ فاش بگویم ایں سخن۔ شمس من خدائے من (مولانا رومیؒ)

"جب کوئی مشکل پیش آوے ہمارے برزخ کا تصوّر کرو۔ تصوّر کا قاعدہ یہ ہے کہ تصوّر کرے اور جب صورت قائم ہوجائے تو معہ اس صورت کے دل صنوبری کی جانب متوجہ ہو اور دل کی آنکھ سے دیکھے"۔ تصوّر کے متعلق آپؒ نے اکثر بہ این الفاظ فرمایا:

"آنکھ بند کرکے کیا دیکھتے ہو آنکھیں کھول کے دیکھو۔ آنکھیں ہوتے ہوئے نابینا ہوجانا خدا کی ناشکری ہے۔"

"جس کو سب شیطان کہتے ہیں وہ اس راستہ میں دوست بن جاتا ہے۔ دشمنی نہیں کرتا۔"

"کسی کو بُرا نہ کہو اور نہ بُرا سمجھو اور نہ مذہب کو بُرا سمجھو کیوں کہ اس کے ملنے کے بہت سے راستے ہیں"۔ (الطریق الله بعدد انفاس الخلائق)

"تعمیلِ خواہشاتِ نفسِ امارہ خدا سے دُور رکھتی ہے۔ جو شخص اپنا کام آپ کرنا چاہتا ہے تو ذات خداوندِ تعالیٰ بھی علیحدہ ہوجاتی ہے اور جو اللہ کے بھروسہ پر چھوڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے کام کو پورا کردیتا ہے۔ یقین کے ساتھ خدا کو مددگار جانو۔" وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا

دریں میدان پر نیرنگ حیراں است دانائی
کہ یک ہنگامہ آرائی وصد کشور تماشائی (نظیری نیشاپوری)

فرمایا: "محبت کرو، کسب سے کچھ نہیں ہوتا۔ ایمان محبّت کا بلہ کا نام ہے۔ کسی کی عداوت کو دل میں جگہ نہ دو۔ جس کی قسمت میں جو ہے وہ ضرور ملے گا اگر زندگی میں نہ ملا تو مرتے وقت ملے گا۔ اگر مرتے وقت نہ ملا تو اس کی قبر میں ٹھونس دیا جائے گا۔"

"دنیاداری، دکانداری ہے۔ جو کچھ ہے لگاؤ ہے باقی جھگڑا۔ سب دکھلانے کی چیز ہے اگر لگاؤ نہیں تو خاک، رام اور رحمٰن ایک ہی چیز ہے۔ اگر دبدھا نہ رہے تو مسجد مندر میں ایک ہی دکھائی دے۔ مسجد۔ مندر اور گرجا میں جہاں جائے سوائے ایک شان کے کچھ نہ دیکھے۔"

"نقش عملیات کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ سب واہیات خرافات ہیں۔ میرے یہاں تو محبت ہی محبت ہے اور محبت کی تعریف یہ ہے۔ حُبّ الشئی یعمی یصمہ۔ جب انسان خدا کا ہوجاتا ہے۔ تو خدا اس کا ہوجاتا ہے۔ یہاں دوئی کا گزر نہیں۔"

انانیت کہاں، کیسی دوئی، وحدت ہی وحدت ہے
ہمیں مے ہیں ہمیں میکش، ہمیں مینا، ہمیں ساقی (قبلہ میاں بیدم شاہ وارثیؒ)

چو من آں چشمِ مست و آں لب خونخوار را دیدم
زگریہ چشمِ من خون شد پشیمانم چرا دیدم
ازیں چشمِ پریشاں بیں ہمیشہ ایں بلا دیدم
مرا گفتند سوئے او مبیں، ترا دیدم بلا دیدم

(حسن علاء سنجری)

"سلسلۂ قادریہ سے جن کو نسبت ہے اُن پر جادو ٹونے کا اثر نہیں ہوتا۔" اکثر زبان مبارک سے فرمایا کہ: "سُنا سُنا حج مقبول کس کا نام ہے؟" پھر یوں ارشاد فرمایا کہ: "عاشق و معشوق آپس میں مل جائیں اس کا نام حج مقبول ہے۔"

فرمایا: "جب انسان اپنے نفس پر قادر ہوتا ہے تو اٹھارہ ہزار عالم اس کے تحت میں آجاتا ہے۔ وحوش و طیور سب اس کے مطیع ہو جاتے ہیں۔"

"طالب کے واسطے صرف "نفخت فیہ من روحی" کافی ہے اس لیے ہم خدا کی ملکیت میں ہیں اور خدا ہماری ملکیت میں ہے کسی اور سے طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"شیطان پر بھی لاحول پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ شیطان خدا کا رقیب نہیں ہے" اِنَّ اللہ عَلیٰ کل شیٍٔ قدیر۔"

"دنیا فساد کا گھر ہے اور اہلِ دُنیا خدا سے دُور رہتے ہیں۔ دُنیا کی محبت بُری چیز ہے" پھر یوں ارشاد فرمایا: "اس کائنات کا نام دنیا نہیں ہے غفلت کا نام دُنیا ہے۔ معشوق کے ملنے نہ ملنے سے واسطہ نہ رکھے جو دِل میں سما گیا اس پر قائم رہے۔ بے غرض بے مطلب جو محبت ہے وہ ایک آتش جگر سوز ہے جس کو عشق کہتے ہیں یہ ایک بے اختیاری چیز ہے اس کی کوئی تدبیر نہیں ہے نہ اس کو کسب سے تعلق ہے۔ یہ آگ جس کے دِل میں پیدا ہوئی۔ بدن چھوڑتے وقت اس کی صورت معشوق کی ہوگی ؎

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

عشق چہ آساں نمود، آہ چہ دشوار بود، ہجر چہ دشوار بود، یار چہ آساں گرفت

حق

فرمایا: "جو خدا کل امراض کو دُور کرسکتا ہے وہ بھوک اور پیاس کی زحمت کو بھی مٹا سکتا ہے اور جس کی نظر دوست پر ہے اس کا کوئی دشمن نہیں ہے۔"

فرمایا: "اپنے میں جو سانس چلتی ہے بس یہی ذات ہے اس کی تصدیق مشکل ہے جس پر سرِ توحید منکشف ہو جاتا ہے وہ جانتا ہے زبان سے اس راز کا ادا ہونا مشکل ہے۔ علم وہی حاصل کرے جو مرتے وقت کام آئے اور وقتِ موت کلمہ زبان سے نکلے اگر زبان سے کلمہ ادا نہ ہو سکا۔ تو علم کس کام آیا۔"

بھیکا بات اگم کی کہن سنن میں نہ
جو کہے سو جانے نہ جو جانے سو کہے نہ

فرمایا: "علمائے ظاہر کی کیا الٹی چال ہے کہ جو دیکھ کے سجدہ کرتا ہے اسے کافر کہتے ہیں اور جو بغیر دیکھے سجدہ کرتا ہے اُسے مومن کہتے ہیں۔" مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى "جو یہاں اندھا ہے وہ وہاں بھی اندھا رہے گا۔"

جس کو درشن اِت ہے اُسکو درشن اُت
جس کو درشن اِت نہیں اُسکو اِت نہ اُت

فرمایا: "اگر شوق کامل ہو اور طلب صادق ہو تو ہر ذرہ میں حبیب کی دید نصیب ہو سکتی ہے۔"

لالی مورے لال کی جت دیکھوں تت لال
لالی دیکھن میں چلی میں بھی ہو گئی لال

نخل قد است کز چمنِ جان برآمده — شاخِ گلے بہ صورتِ انسان برآمده
از فرق تا قدم ہمہ جانست آں نہال — گویا ز آبِ چشمۂ حیوان برآمده
اکنوں توئی جمیل جہاں گرچہ پیش ازیں — آوازۂ جمال ز کنعان برآمده
در دیدہ چوں بہ شمع رخت کردہ ام نگاہ — از دل ہزار شعلۂ پنہاں برآمده
بہر نظارہ گل روئے تو در چمن — گل ہر طرف ز شاخ درختان برآمده
مست می شبانہ مہِ من ز خوابِ ناز — با آفتاب دست و گریبان برآمده
در ہر چمن کہ گفت فغانی سرودِ غم — فغاں ز بلبلانِ خوش الحان برآمده

(فغانی رحمۃ اللہ علیہ)

فرمایا: " جوگ نفس کشی کو کہتے ہیں اور نفس کشی لازمی ہے۔ چنانچہ قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔ "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" یعنی جس سے محبت کرتے ہو اس کو ترک کر دو تو بتاؤ محبوب ترشئے کیا ہے عرض کیا گیا کہ جان بہت عزیز ہے۔ ارشاد فرمایا، کہ بسا اوقات جان دینا بھی آسانی سے گوارا کر لیتا ہے۔ اس لیے مِمَّا تُحِبُّوْنَ سے مراد انسان کی عافیت جو کسی وقت ناپسند نہیں ہوتی۔ پس فقیر کو چاہیے کہ سامانِ عافیت ترک کر دے اور خیالِ عافیت کو دل سے نکال دے اور خدا کی محبّت میں خوشی سے تکلیف اُٹھائے۔ خدا کی محبّت میں مِٹ جانا۔ مال اسباب جمع نہ کرنا۔ وضع کے پابند رہنا۔ تکلیف کی شکایت نہ کرنا تکلیف و راحت سب خدا کی جانب سے ہے پھر شکایت کس سے کرو گے؟ معشوق کی دی ہوئی تکلیف کہیں میسّر آتی ہے۔"

فرمایا: " فقیر کا جس جگہ انتقال ہو جائے اسی جگہ دفن کر دو اگر کسی دوسری جگہ لے جانا مقصود ہو تو پلنگ پہ نہ لے جایا جائے۔"

" زن۔ زر۔ زمین، یہ سب جھگڑا ہے۔ فقیر کو اس جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہیے۔"

فرمایا: " سلسلہ فقر اہلِ بیت کرام سے ہے۔ فقیری بی بی فاطمہؓ سے ہے اور امام حسین علیہ السلام نے یہ فیض جاری فرمایا۔ تسلیم و رضا بی بی فاطمہ اور دونوں صاحبزادوں کا حِصّہ ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک رضائے معشوق کے لیے تمام خاندان کو میدانِ کربلا میں شہید کرا دیا۔ کوئی کیا سمجھ سکتا ہے کہ رمزِ عاشقی و معشوقی نازک ہے۔"

عشق جس کسی کو ملا پنجتن پاک علیہم السلام سے مِلا ہے معرفت کسبی چیز نہیں ہے محض وہبی ہے جس کو بھی خداوند کریم عنایت کر دے کسی کا اجارہ نہیں ہے۔"

فرمایا: "سُنا سُنا۔ آنکھ بند کرنے اور سانس روکنے سے اور حق حق کرنے سے کیا ہوتا ہے یہ وہبی چیز ہے جس کو خدا چاہتا ہے اپنی معرفت دیتا ہے یہاں کسب کا کام نہیں۔ محنت اور ریاضت سے دوسرے فائدے ہوتے ہیں۔ مزدور کی مزدوری ضائع نہیں ہوتی جو علم و عمل سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر من تو شدم تو من شدی۔ یہ کام عشق کا ہے اور عشق پر کسی کا زور نہیں ہے

بلبل و گل را ہوائے دیگر است　　　من نمی دانم کدامے دلبر است

حق

فرمایا: "تسلیم و رضا تو جب ہے کہ شر کو بھی خیر سمجھے اور خیر تو خیر ہی ہے اور تکلیف بھی عاشق و معشوق کا ایک راز ہے۔ عشاق کو ہر حال میں ایک حال ہوتا ہے وہ ہر چیز سے اور مخلوق سے جو چاہیں کرا دیں۔"

فرمایا: "عاشق کبھی بے ایمان نہیں مرتا اور اس کا گوشت درندوں پر حرام ہے اس پر نہ سانپ کا زہر اثر کر سکتا ہے اور نہ شیر کھا سکتا ہے۔ اگر عاشق کی زبان سے غلط بات بھی نکل جائے تو رب العالمین اس کو سچ کر دیتا ہے۔ عاشق کے خیال پر دین اور دنیا کا انتظام ہے۔ معشوق کا زسانا اور حجاب و عتاب ہی رحم و فضل ہے۔" ؎

از حسنِ ملیح خود شورے بجہاں کر دی
ہر زخمیٔ بسمل را مصروفِ فغاں کر دی (جامیؒ)

بہ عشقت جانِ من بیمار شد بیمار تر بادا
دگر دِل از محبت زار گشتہ زار تر بادا

ز رسوائی و بدنامی کجا ترسد دِل عاشق
بہ سودائے محبت خوار اگر شد خوار تر بادا

(احمد شاہجہان پوری)

"نماز روزہ اور چیز ہے تصدیق اور چیز ہے۔ اگرچہ تصدیق مانع صلوٰۃ نہیں مگر حالت ضرور قابلِ لحاظ ہے۔ جو شخص نماز نہ پڑھے وہ ہمارے حلقۂ بیعت سے خارج ہے۔ نماز ضرور پڑھنی چاہیے۔ یہ نظامِ عالم ہے اگر یہ چھوڑ دی جائے گی تو عالم کے انتظام میں خرابی آجائے گی۔"

پھر اس طرح فرمایا: "نماز برابر پڑھے جائے اگر ایک سجدہ بھی ہو گیا تو تمام نمازیں ہو گئیں نماز رکنِ اسلام ہے۔"

"مسجد میں پیدل جانے سے ہر قدم پر ثواب ملتا ہے۔ جمعہ کی نماز میں سنت گھر پر پڑھ کر جانا سنت ہے۔ جمعہ کی نماز کے بعد لوگ چار رکعت ظہر پڑھ لیا کرتے ہیں۔ یہ شک کی بات ہے ہمارے یہاں شک نہیں۔ جو شخص چھپ چھپا کر نماز پڑھتا ہے تو نماز ہو جاتی ہے۔ ہر شخص پر اتباعِ سنت اور پابندیٔ شریعت لازم ہے۔ شریعت میں خود بینی منافیٔ آدابِ عبدیت ہے۔ شریعت ایک

حق

انتظامی بات ہے۔ اگر انتظام نہ ہوتا تو سب کام بگڑ جاتے۔ بولتے کو تو سبھی نے پوجا۔ مگر اُس بولتے کو کوئی نہیں پوجتا۔

سنگِ بابِ میکدہ را سجدہ گاہے ساختم
قبلۂ ایمان و دیں سجادہ نگاہے ساختم
بر طرف صوم و صلوٰۃ و الوداع سجدہ سجود
میکشی خوباں پرستی را عز و جاہے ساختم

(نظامیؒ)

حق

سلامِ محبّت

میرے وارثؒ جگ اوجیالے تم پہ لاکھوں سلام

دیوی نگر استھان بنایو سارے ہند کو بھاگ جگایو
پرم روپ سنکھ دکھلائیو تم ہو مدینے والے تم پہ لاکھوں سلام
میرے وارثؒ جگ اوجیالے تم پہ لاکھوں سلام

نیا بھنور میں آن پھنسی ہے تم سے گوسیاں آس لگی ہے
تم بن کون سنبھالے تم پہ لاکھوں سلام
میرے وارثؒ جگ اوجیالے تم پہ لاکھوں سلام

تم اللہ نبیؐ کے پیارے مولا علیؓ کے راج دُلارے
فاطمہ بی بی کی آنکھ کے تارے سب کے نام اچھالے تم پہ لاکھوں سلام
میرے وارثؒ جگ اوجیالے تم پہ لاکھوں سلام

ترے دوار نوبت نت باجے ترے داس راجے مہاراجے
مکھ موتین کو سہرا ساجے دولہا ہو ہریالے تم پہ لاکھوں سلام
میرے وارثؒ جگ اوجیالے تم پہ لاکھوں سلام

بیدم تج کے اپنی نگریا آن پڑو ہے تری دھریا
ترے ہاتھ ہے لاج سنوریا وارثؒ دیوے والے تم پہ لاکھوں سلام
میرے وارثؒ جگ اوجیالے تم پہ لاکھوں سلام

(میاں بیدم شاہؒ وارثی)

حق

سہرا مبارک

اَج موتیں سہرا گوندھاؤں گی
ہریالے بنّے لاڈلے بنّے
نگر کی سات سہاگن بن کے
گھر گھر اَلکھ جگاؤں گی
اَج موتیں .. .. ..
بہنا بلائے اَگنواں بیٹھوں
شُبھ گھڑی، لگن دھراؤں گی
اَج موتیں .. .. ..
گھیو چندن توری پوجیو دھریا
پانچوں پیر مناؤں گی
اَج موتیں .. .. ..
سر سہرا مکھ مکنا سجیو ل
پانن منڈھا چھواؤں گی
اَج موتیں .. .. ..
بغدادی موتیا چمکیلے
شاہ رزاق سے لاؤں گی
اَج موتیں .. .. ..

حق

خواجگانؒ کی بگیا کے پھلوا
خواجہ قطبؒ سے منگاؤنگی
آج موتیں .. .. ..
پنجتن پاکؑ کے راج دلارے
اپنے وارثؒ کو دولہا بناؤنگی
آج موتیں .. .. ..
قربان علیؒ کو دے ہوں مبارک
جو مانگوں سو ہی پاؤں گی
آج موتیں .. .. ..
سولھو سنگھار میں کرکے بیدمؔ
اپنے بنّے کو رجھاؤں گی
آج موتیں سہرا گوندھاؤں گی

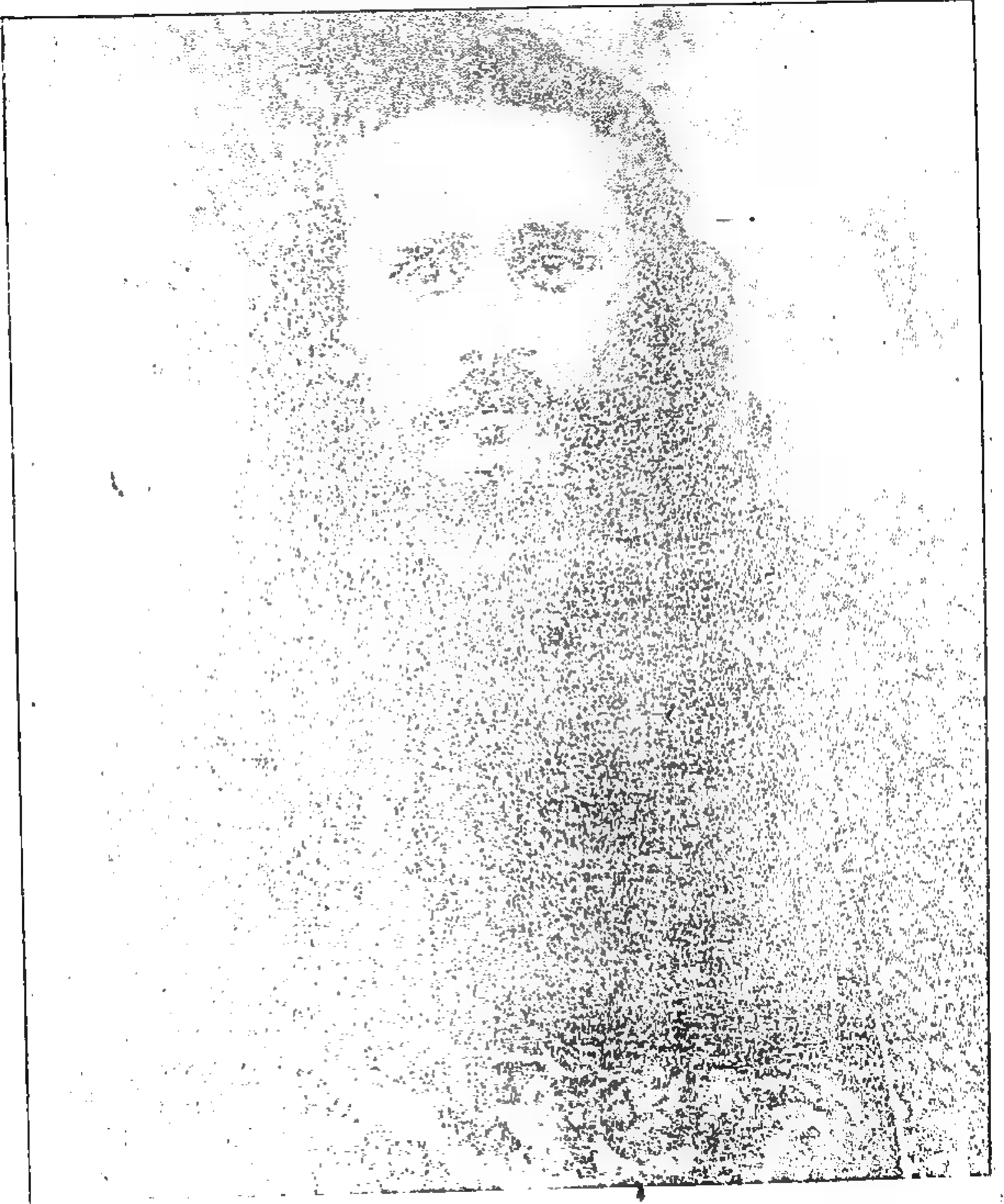
——— (میاں بیدم شاہؒ وارثی)

حق

حضرت لسان الطریقت

میاں بیدمؔ شاہ وارثی رحمۃ اللہ علیہ

حضور میاں بیدم شاہ وارثی علیہ الرحمۃ ۱۸۷۶ء میں بمقام اٹاوہ (نیا شہر) میں پیدا ہوئے۔ آپ کی علوم رسمیہ کی ابتدائی اور آخری تعلیم اٹاوہ (یو۔پی بھارت) ہی میں ہوئی۔ طبیعت میں شاعرانہ وجدان فطری طور پر ودیعت تھا۔ دوسروں کی غزلیں سنتے اور گنگناتے رہتے رفتہ رفتہ اس مشق نے ارتقاء کی منزلیں طے کیں اور خود شاعر بننے کی تمنا ازلی آپ کو آگرہ لے گئی جہاں دوسرے احباب وارباب وطن بھی موجود تھے۔ جناب خواجہ آتش لکھنوی مرحوم کے شاگردوں میں جناب وحید صاحب مانک پوری گزرے ہیں۔ ان کے جانشین اور مقرب باکمال شاگرد سید نثار اکبرآبادی کا حلقہ تلامذہ اس وقت آگرہ میں عروج پر تھا۔ آپ بھی اس حلقہ میں داخل وشامل ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد نغز گو شاعر کا مرتبہ حاصل کر لیا۔ اسی سلسلہ میں استاد کے فیضان صحبت سے متاثر ہو کر سلسلہ وارثیہ میں مرشد دوراں حضرت حاجی سید وارث علی شاہؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور احرام پوش ہو گئے۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد آپ "سراج الشعرا" اور "لسان الطریقت" کے خطاب سے مخاطب کیے جانے لگے جو ان کی موجودہ شخصیت کے شایان شان بھی تھا۔ آپؒ کو حضور مرشد دوراں، امام الاولیا، سید حاجی وارث علی شاہ رح کی خدمت بابرکت میں رہنے کا کافی سے زیادہ موقع حاصل رہا۔ آپؒ کو حاجی باباؒ سے والہانہ محبت تھی۔ فقروفاقہ کی زندگی میں بھی آپؒ کے کچھ معمولات تھے جو آخر وقت تک قائم رہے۔ بہ حیثیت شاعر مشاعروں میں عامیانہ شرکت سے ہمیشہ اجتناب رہا۔ بربنائے تعلقات کبھی کبھی چلے بھی گئے مگر وہ شاذ ہی جب کوئی غزل یا منقبت کہی کسی کو سنانے سے پہلے آستانہ وارثی (دیویٰ شریف) پر حاضر ہو کر سنا آئے



حضور سرکار لسان الطریقت میاں بیدم شاہ وارثیؒ (عالم شباب)



حضور سرکار لسان الطریقت میاں بیدم شاہ وارثیؒ (عالمِ پیری)

حق

تھے پھر دوسروں کو سناتے تھے تمام عمر کسی اہلِ دُنیا کی مدح سرائی نہیں کی اور نہ اس کی تعظیم کو سراہا آپؒ ہمیشہ رات کے آخری حصّہ میں ذکر و فکر سے کبھی غافل نہ رہے۔ ملنے والے سے ملنے میں سبقت کرتے اور وضعداری کے ہمیشہ پابند رہے ؎

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

۱۹۰۵ء میں مرشدِ برحق امام الاولیا حضور بندہ نواز وارثِ عالم پناہ نے اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف سفرِ آخرت فرمایا۔ اپنے مرشدِ برحق کے وصال فرمانے کے بعد آپؒ اکتیس سال زندہ رہے اور ۲۴۔ نومبر ۱۹۳۶ء میں خود بھی پردہ فرمایا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ط

اور شاہ اویسؒ کے گورستان دیوٰی شریف ضلع بارہ بنکی (یو۔پی) میں دفن ہوئے۔ آپؒ کی تاریخِ وصال ۸ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ بمطابق ۲۴۔ نومبر ۳۶ء ہے۔

عام حالات

آپؒ کی طبیعت انتہائی سادہ تھی۔ ظاہرداری سے سخت نفرت تھی۔ اخلاق بہت وسیع تھا۔ امیر ہو یا غریب سب سے ایک سا سلوک فرماتے تھے۔ آپؒ ہمیشہ پیلا و سبز کاہی، شربتی و کتھئی رنگ کے احرام پسند فرماتے تھے۔ کھانے میں بیسن کی روٹی اور چٹنی مرغوب غذا تھی۔ آپؒ اپنی بڑائی اور بزرگی کبھی کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ موسیقیت سے خاص لگاؤ تھا۔ اکثر آپؒ قوالوں کو اس فن کی تعلیم بھی دیتے تھے۔

تبصرۂ کلام (از ایاز وارث وارثی)

قبل اس کے کہ مصوّرِ جذبات حضرت بیدم شاہ وارثیؒ کے کلام پر تبصرہ کروں اس امر کا جائزہ لینا ضروری ہے کہ جس ماحول میں موصوف نے آنکھیں کھولیں وہ کیسا زمانہ تھا۔ تاکہ وہ باریکیاں اور نقش و نگار ابھر کر سامنے آجائیں۔ جو اُن کی شاعری کی انفرادیت کو قائم رکھتی ہیں۔ اس وقت غیر ملکی راج تھا۔ سچی بات کہنا یا جذباتِ صادق کو پیش کرنا جرمِ عظیم سمجھا جاتا تھا۔ مایوسی کی فضا پورے ہندوستان پر مسلط تھی۔ ایسے ماحول میں دلی جذبات کا اظہار کرنا کسی مجاہدے سے کم نہ تھا۔ ایسے وقت میں صاف گوئی سے اپنے خیالات کی ترجمانی کرنا ایک عظیم کارنامہ تھا جسے فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ آپ کی شاعری

حق

اُمید کا درس دیتی ہے آپ کی شاعری کا محور " لا تقنطوا من رحمة اللّٰہ " کی تفسیر ہے۔

خصوصیتِ کلام

ایسے ماحول میں جبکہ لوگ مذہبی جذبات کو ہوا دینے سے گریز کرتے تھے۔ کسی محفل یا مجلس میں مذہبی ذکر کرتے جھجک محسوس کرتے تھے۔ ہر بات تصنع کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ ہر گفتگو بناوٹ کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ ایسے ماحول میں بلا جھجک ببانگِ دہل اپنے مذہبی جذبات کا اظہار کرنا حضرت قبلہ بیدم شاہ وارثیؒ ہی کا کام تھا۔ فرماتے ہیں ؎

بیدمؔ یہی تو پانچ ہیں مقصودِ کائنات
خیر النساءؓ حسینؓ و حسنؓ مصطفےٰؐ علیؓ

جدّت طرازی : جس نے ان کے کلام کو دوسرے ہم عصروں پر فوقیت دی۔ اس مضمون کو کہ بوٹا بوٹا جمالِ الٰہی کا مرکز ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ جس سے معرفت کے چشمے ابل رہے ہیں اگر انسانی نظر حقیقت شناس بن جائے تو ہر ذرے سے جلوۂ الٰہی جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ اس خیال کو آپ نے ایک عجیب انداز پیش کیا ہے۔ جس سے انکی والہانہ کیفیت اور سرشاریٔ معرفت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اندازِ بیان نے اسے اور زیادہ دلکش بنا دیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

ہر ایک جلوہ میں جلوہ گر ہے پردہ نشیں !
ترے جمال سے سیکھی ہے کافری میں نے

لفظ کافری نے تصوّف کے اس اصل اصول کو اجاگر کر دیا ہے۔ جس کی تفسیر مذہب تصوّف میں ہمہ اوست سے کی گئی ہے اور اپنی اس منزل کا بھی پتہ بتا دیا ہے جس پر وہ فائز تھے۔ جسے مقامِ تعجب اور حیرت سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس منزل پر پہنچ کر منصور کے سے لوگ بہک گئے۔ لیکن آپؒ کے ظرف کی وسعت کا اندازہ اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ اتنے بلند منصب پر فائز ہونے کے باوجود آپ کے قدم میں لغزش نہیں ہوئی اور ایک لفظ کافری سے اپنے مدعا کا اظہار فرما گئے۔ واردات قلبی کو پیش کرتے ہیں تو اس کے لیے بھی ایک نیا انداز تلاش کرتے ہیں۔ طرزِ بیان سونے پر سہاگے کا کام دیتا ہے۔ ان حالات میں بھی جبکہ انسان جذباتی بن کر اپنی حقیقت سے بھی غافل ہو جاتا ہے اپنی حقیقت کے اظہار سے بھی باز نہیں رہتے۔ برملا اس کا ذکر فرماتے ہیں ؎

لیتا ہے بوسے اُٹھ کے کفِ پائے یار کے
اللہ رے حوصلے مرے مشتِ غبار کے

سادگی ان کے کلام کا جوہر ہے۔ ایچ پیچ کے خبط خیالات یا بلاوجہ تشبیہ و استعارات میں اُلجھانا ان کی سادگی پسند طبیعت پر بار ہوتا ہے۔ لیکن اس سادگی میں بھی ایک نیا پن اور اپنائیت کا اظہار ہوتا ہے فرماتے ہیں ؎

نہ پوچھو کہ مَیں تجھ سے کیا چاہتا ہوں
تمہیں کو حبیبِ خدا چاہتا ہوں

جب وہ فلسفیانہ انداز اختیار کرتے ہیں تو اس وقت عام لوگوں کی طرح مصلح کا انداز اختیار نہیں کرتے ہیں۔ اِتنے دقیق الفاظ استعمال کرتے ہیں جو عام لوگوں کی سمجھ اور فہم سے بالاتر ہو۔ اندازِ تخاطب سے اِسے دِل چسپ اور دلکش بنا دیتے ہیں۔ زِندگی کی حقیقت کو ان الفاظ میں پیش فرماتے ہیں۔ جس سے زندگی کا ایک ہلکا سا خاکہ نظروں کے سامنے آجاتا ہے ؎

تھکا تھکا سا ہوں نیند آرہی ہے سونے دے
بہت دیا ہے تِرا ساتھ زندگی میں نے

زِندگی اور موت وجود و عدم کا ثبوت ہے۔ موت کو ابدی نیند سے تشبیہ دی جاتی ہے لیکن نیند ایک کیفیت کا نام ہے۔ جو دماغ کے تھک جانے کے بعد طاری ہوتی ہے۔ اس کی مناسبت سے حضرت بیدم شاہ وارثیؒ نے لفظ تھکا تھکا استعمال کیا ہے یعنی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اے زندگی مَیں نے تیرا ہر آڑے وقت میں ساتھ دیا ہے لیکن اب اِتنا زیادہ تھک چکا ہوں کہ تھوڑی دیر سکون چاہتا ہوں۔ جسے دُنیا موت سے تعبیر کرتی ہے میرے نزدیک وہ ایک کیفیت ہے جو فطرت کے مطابق ہے۔

الفاظ کا اِنتخاب : حضرت بیدم شاہ وارثیؒ نے الفاظ کے انتخاب میں بڑی کدو کاوش سے کام لیا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے الفاظ کا انتخاب فرماتے تھے۔ جو اُن کے مافی الضمیر کی اچھی طرح وضاحت کردیتے تھے۔ وہ انتخابِ الفاظ میں ماحول سے بے نیاز نہیں ہوتے تھے۔ اور یہ ایک بہت مشکل راستہ تھا جسے وہ اختیار کیے ہوئے تھے اور یہ شعر میرے دعوے کی دلیل ہے ؎

حق

للہ کل بھی حضرتِ بیدمؒ پھر آئیے
آپ آگئے تو آج میرا جی بہل گیا

اِس شعر میں للہ کا اِنتخاب حضرتِ بیدمؒ ہی کا حصّہ ہے۔ اِس لیے کہ جس ماحول میں یہ غزل کہی گئی ہے۔ وہ ایسی ہی زبان کی طالب تھی۔ جس انداز میں یہ غزل کہی گئی ہے۔ وہ اِن کے پسندیدہ مسلک کا بھرپور مظہر ہے۔ اس غزل میں جو وہ فرماتے ہیں ؎

پاسِ ادب ضرور ہے منصور دیکھنا
یہ بیخودی میں مُنہ سے تیرے کیا نکل گیا

اِس شعر سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت ان کے جذبات کیا تھے اور کن کیفیات میں مستغرق تھے۔ اور کس ماحول کی عکاسی فرما رہے تھے۔ تفحص الفاظ ایک مشکل کام ہوتا ہے لیکن حضرتِ بیدمؒ کے یہاں بھی الفاظ کے انتخاب سے چشم پوشی نہیں فرمائی جو اُن کے قادر الکلام ہونے کی کھُلی دلیل ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ جیسا چاہیے ویسا تبصرہ اس لیے نہ کر سکا کہ وقت کوتاہ اور پھر دنیا داری کا ساتھ، محدود دائرے میں رہ کر تو جو کچھ لکھا جا سکتا تھا۔ مَیں نے اس سے چشم پوشی نہیں کی ہے لیکن اس عقیدت اور دلی جذبات کے پیش کرنے سے ضرور گریز کرنا پڑا ہے جو مجھے والدِ محترم سے ہے آخر میں اپنی پسند کے سرکاری تبرکات پر مضمون ختم کرتا ہوں۔

حق

حضور میاں بیدم شاہ وارثیؒ

کا نعتیہ کلام

رُتبہ یہ دیا ہے تیری چوکھٹ کو خدا نے
سر اپنا جھکایا ہے ہر اک شاہ و گدا نے
جاں بخشی نہ جن کو کبھی عیسیٰ کی صدا نے
وہ مُردے جِلائے لبِ اعجاز نما نے
کشتی مری گردابِ مصیبت میں پھنسی ہے
اے بحرِ کرم آؤ مجھے پار لگانے
وحدت کا نشاں عالمِ کثرت میں دکھایا
اے صلی علیٰ عشقِ رسولِ دوسرا نے
ہمراہی سے قاصر رہے جبریلِ امیں بھی
معراج میں حضرت جو لگے عرش پہ جانے
کس طرح تیری مدح کروں خاصۂ داور
روشن کیا عالم ترے نقشِ کفِ پا نے
کیا شان الٰہی ہے کہ سبزی میں یہ سُرخی
پایا ہے شرف آپ کے ہاتھوں سے حنا نے
لولاک لما شان نہ ہو کس طرح اُن کی
بے مثل بنایا ہے محمدؐ کو خدا نے

حق

بیدمؔ کی تمنائے دلی ہے کہ دمِ نزع
آئیں وہ مجھے شربتِ دیدار پلانے

عدم سے لائی ہے ہستی میں آرزوئے رسولؐ — کہاں کہاں لیے پھرتی ہے جستجوئے رسولؐ
خوشا وہ دل کہ ہو جس دل میں آرزوئے رسولؐ — خوشا وہ آنکھ جو ہو محوِ حسنِ روئے رسولؐ
تلاشِ نقشِ کفِ پائے مصطفےٰؐ کی قسم — چنے ہیں آنکھوں سے ذراتِ خاکِ کوئے رسولؐ
پھر ان کے نشۂ عرفان کا پوچھنا کیا ہے — جو پی چکے ہیں ازل سے مےِ سبوئے رسولؐ
بلائیں لوں تیری اے جذبِ شوقِ صلِ علیٰ — کہ آج دامنِ دل کھنچ رہا ہے سوئے رسولؐ
شگفتہ گلشنِ زہراؑ کا ہر گلِ تر ہے — کسی میں رنگِ علیؑ اور کسی میں بوئے رسولؐ

عجب تماشہ ہو میدانِ حشر میں بیدمؔ
کہ سب ہوں پیشِ خدا اور میں روبروئے رسولؐ

میرا دل اور میری جان مدینے والے — تجھ پہ سو جان سے قربان مدینے والے
باعثِ ارض و سما صاحبِ لولاکَ لَمَا — عینِ صورتِ حق انسان مدینے والے
بھر دے بھر دے مرے داتا میری جھولی بھر دے — اب نہ رکھ بے سر و سامان مدینے والے
کل کے مطلوب کا محبوب ہے معشوق ہے تو — اللہ اللہ رے تیری شان مدینے والے
آڑے آتی ہے تیری ذات ہر اک دکھیا کے — میری مشکل بھی ہو آسان مدینے والے
پھر تمنائے زیارت نے کیا دل بے چین — پھر مدینے کا ہے ارمان مدینے والے
تیرا در چھوڑ کے جاؤں تو کہاں جاؤں میں — میرے آقا میرے سلطان مدینے والے

سگِ طیبہ مجھے سب کہہ کے پکاریں بیدمؔ
یہی رکھیں میری پہچان مدینے والے

حق

انوارِ تغزّل

ممنون ساقیا ترا ہر بادہ خوار ہے — عمرت دراز باد کی ہر سُو پکار ہے
وہ پیر میرا وارثِ عالی وقار ہے — پروانہ وار جس پہ زمانہ نثار ہے
دِل کو نہ چین ہے نہ جگر کو قرار ہے — یارب یہ کس بلا کی شبِ انتظار ہے
کیا اس نے دیکھ لی کہیں رفتارِ یار ہے — اِٹھلا کے چل رہی جو نسیم بہار ہے
دِل مضطرب ہے اور جگر بے قرار ہے — محشر کا روز ہے کہ شبِ انتظار ہے
اِس زلف و رُخ کی مجھ کو زیارت نصیب ہو — حق سے دعا یہی مری لیل و نہار ہے

بیدمؔ وصال میں جو پلائی تھی یار نے
اب تک اُسی شراب کا باقی خمار ہے

کاش مجھ پر ہی مجھے یار کا دھوکا ہو جائے — دید کی دید تماشے کا تماشا ہو جائے
دیدۂ شوق کہیں راز نہ افشا ہو جائے — دیکھ ایسا نہ ہو اظہارِ تمنا ہو جائے
آپ ٹھکراتے تو ہیں قبرِ شہیدانِ وفا — حشر سے پہلے کہیں حشر نہ برپا ہو جائے
آپ کا جلوہ بھی کیا چیز ہے اللہ اللہ — جس کو آجائے نظر وہ بھی تماشا ہو جائے
شرم اس کی ہے کہ کہلاتا ہوں کشتہ تیرا — زندہ عیسیٰ سے ہو جاؤں تو مرنا ہو جائے
دُور ہو جائیں جو آنکھوں سے حجاباتِ دوئی — پھر تو کچھ دوسری دنیا میری دنیا ہو جائے
اسکی کیا شرم نہ ہو گی تجھے اے شانِ کرم — تیرا بندہ جو ترے سامنے رسوا ہو جائے
تو اسے بھول گیا وہ تجھے کیونکر بھولے — کیسے ممکن ہے کہ بیدمؔ بھی تجھی سا ہو جائے

یوں گلشنِ ہستی کی مالی نے بنا ڈالی
پھولوں سے جُدا کلیاں کلیوں سے جدا ڈالی
سر رکھ کے ہتھیلی پر اور لختِ جگر چن کر
سرکار میں لائے ہیں اربابِ وفا ڈالی
رویا کہوں ہیں اسکو یا مژدۂ بیداری
غل ہے کہ نقاب اس نے چہرے سے اٹھا ڈالی
ساقی نے ستم ڈھایا برسات میں ترسایا
جب فصلِ بہار آئی دکان اٹھا ڈالی
خونِ دلِ عاشق کے اس قطرہ کا کیا کہنا
دنیائے دِل جس نے رنگین بنا ڈالی
بیدمؔ ترے گریہ نے طوفان اُٹھا ڈالے
اور نالوں نے دُنیا کی بنیاد ہلا ڈالی

پہلو میں دِل ہے دل میں تمنائے یار ہے
آئینہ ہے جہاں وہیں آئینہ دار ہے
آہٹ پہ کان در پہ نظر بار بار ہے
کچھ خیر تو ہے کس کا تمہیں انتظار ہے
اِک میں کہ مجھ سے سارے زمانے کو اختلاف
اِک تم کہ تم پہ ساری خدائی نثار ہے
تم شوق سے جفا کیے جاؤ ستم کرو
یہ کس نے کہہ دیا ہے کہ مجھے ناگوار ہے
یوں جا رہا ہوں داورِ محشر کے سامنے
سینہ پہ ہاتھ، ہاتھ میں تصویرِ یار ہے
دامن کسی کا چھوتے ہی معراج ہو گئی
مشتِ غبار دوشِ ہوا پر سوار ہے
جھگڑا چکا ہیں جان ہی دیدیں فراق میں
ہونا تو ایک دن یہی انجامِ کار ہے
نیرنگِ روزگار پہ کس کی نظر نہیں
ہر آنکھ اک مرقعِ لیل و نہار ہے
بیدمؔ ملے جو مجمعِ احبابِ دلنواز
پھر تو خزاں بھی ہو تو ہماری بہار ہے

دونوں عالم کے وہ سلطان بنے بیٹھے ہیں
کعبہ و قبلۂ ایمان بنے بیٹھے ہیں
یادِ گیسوئے رسُولِ عربی میں شب سے
حضرتِ دل بھی پریشان بنے بیٹھے ہیں
چشم میں بن کے نظر اور نظر میں اک نور
دِل کے دِل جان کی وہ جان بنے بیٹھے ہیں
خاک میں ان کو ملانے کو جلانے کو نہیں
دشمن گبر و مسلمان بنے بیٹھے ہیں

حق

غیر سے پوچھ رہے ہیں سرِ محفل مرا نام　　جانتے ہیں مگر انجان بنے بیٹھے ہیں
اِک ذرا چھیڑ پہ تیار ہیں جانے کے لیے　　صاحبِ خانہ ہیں مہمان بنے بیٹھے ہیں
کل تلک مجھ سے لکھاتے تھے جو غزلیں بیدمؔ
آج وہ صاحبِ دیوان بنے بیٹھے ہیں

شمار مشکل ہو عاشقوں کا وہ شاہِ خوباں جدھر سے نکلے
مزا ہو جب حشر میں پکارے کہ ہائے کوئی کدھر سے نکلے

لحد میں بھی منتظر ہیں آنکھیں اس حسرتِ دید کے میں صدقے
پسِ فنا بھی یہ آرزو ہے کہ وہ ستمگر ادھر سے نکلے

تو بن کے سورنگ کے آ رنگیلے قریب میں آئیں گے نہ تیرے
کبھی ہوئی ہے جو دل میں صورت بھلا وہ کیونکر نظر سے نکلے

مدد کر اے جذبۂ محبت دکھا اب آہِ رسا اثر کچھ
کہ خود ہو مضطرب وہ دلبر پکارتا مجھ کو گھر سے نکلے

یہی ہے بیدمؔ کی آرزو اور یہی ہے خواہش یہی دعا ہے
جدا ہو سر تن سے یاالٰہی پر ان کا سودا نہ سر سے نکلے

شیفتہ ہو گیا اے یار زمانہ تیرا　　جس کو دیکھا وہی گاتا ہے ترانا تیرا
لامکاں تک تجھے ڈھونڈا مگر اے پردہ نشیں　　خانۂ دل ہی میں پاتا ہوں ٹھکانا تیرا
گل نے اُلٹا ہے تیری دید کو چہرے سے نقاب　　قمریاں سرو پہ گاتی ہیں ترانا تیرا
اُجڑی بستی مری آباد ہوئی تیرے سبب　　دلِ غمگیں میں جو میرے ہوا آنا تیرا
کس طرح دم ترا بیدمؔ نہ بھرے اے ساقی
آج تک یاد ہے وہ جام پلانا تیرا

حق

مَیں اور حسنِ یار کا جلوہ لیے ہوئے	ذرہ ہے دلفریبیٔ دنیا لیے ہوئے
ویران دل کا آنکھوں میں نقشہ لیے ہوئے	صحرا میں پھر رہا ہوں میں صحرا لیے ہوئے
دردِ فراق، زخمِ جگر، داغ ہائے دل	آیا ہوں اُن کی بزم سے کیا کیا لیے ہوئے
کیونکر نہ کروں سجدہ رہِ کوئے یار میں	ہر ذرّہ ہے تجلّیٔ کعبہ لیے ہوئے
بُت خانے سے غرض ہے نہ مسجد سے واسطہ	پھرتی ہے مجھ کو تیری تمنّا لیے ہوئے
جس شاخ پر چمن میں بنایا تھا آشیاں	بجلی گری اُسی کا سہارا لیے ہوئے
آنکھوں میں پھر رہا ہے جمالِ منیرِ دوست	غش ہیں کلیمؑ برقِ تجلّا لیے ہوئے

دُنیا سے بے نیاز زمانے سے بے خبر
بیدمؒ ہے تیرا تیری تمنّا لیے ہوئے

رنگِ پوربی بھاشا

دین دیال گِردر گر دھاری	موہنی صورت چال متواری
بن مدھوا کے کینی متواری	اسے گُڑوا توپے ہیں بلہاری
جگ من موہا کرشن مراری	ڈوبت گہہ لینی بانھہ ہماری
پیّاں پڑوں ہاہا کھاوں تمہاری	اب موپے کرپا کرو بنواری
اور کو رنگ مورے من نہ سہاوے	ایسی رنگی چوندر موری ساری
اب کا کے آگے میں ہاتھ پساروں	کہلاکے پیا چیری تمہاری

چندن بدن پر تھد سوہے
بیدمؒ جائے واپے بلہاری

ہولی

گنج شکرؒ کے لال نظام الدینؒ چشت نگر میں پھاگ رچایو
خواجہ معین الدینؒ اور قطب الدینؒ پریم کے رنگ کی رینی چڑھایو

حق

سیس مکٹ ہاتھن پچکاری مورے آنگن ہولی کھیلن آیو
پیر نظام الدینؒ چتر کھلاڑی بھیاں پکڑ مورا گھونگھٹ اٹھایو
دھن دھن بھاگ اُن کے موری سجنی جن ایسو سندر ریتم پایو
کھیلو رے چشتیو ہولی کھیلو خواجہ نظامؒ کے بھیس میں آیو
لپک جھپک اور آن اچانک رنگ ڈارو اور مدھوا پلایو
اپنے رنگیلے کے بیدمؔ واری جن موہے لال گلال بنایو

دادرہ

لاگی نجر بھرپور نجام الدینؒ — کر گئی چکنا چور نجام الدینؒ
تاج ولایت سر پہ سوہے — مکھڑے پہ نور جہور نجام الدینؒ
لاگی نجر . . . . . .

اندھری ایا ہج کس کر پہنچے — تمری اٹریا ہے دُور نجام الدینؒ
ہاتھ گہے کی لاج تہیں کو — اے سرکار ہجور نجام الدینؒ
لاگی نجر . . . . . .

تمری دھریا آن پڑو ہے — بیدمؔ نرگن کور نجام الدینؒ
لاگی نجر بھرپور نجام الدینؒ

ٹھمری سرکار پسند

کسک ہووت مورے رام — جیا لرجے تن تھر تھر کانپے
ایک تو پریم کی بھولی ڈگریا — دوجے ٹھکانی تیجے بھئی رے شام
کسک ہووت مورے رام
تمرے کارن میں بھئی رے جوگنیاں — کہت پھری شیام شیام
کسک ہووت مورے رام

حق

بیدمؔ عرج کرت جو لودم ہے جپت رہوں تیرو نام
کسک ہووت مورے رام

دادرہ

چل چل گوریا جیرا بے چین جہاں پریم کی لاگی باجریا
تلپت ہوں نسدن اے ری سکھی بن جال کے جیسے ماچھریا
موہے انتر بھید بتا دے وارثؔ دبدھا مورے من کی مٹا دے وارثؔ
موہے موہنی صورت دکھا دے وارثؔ تنی الٹ کے مکھ سے کانوریا
ندیا گہری پگ دھرت ڈروں دبدھا من کی میں کا سے کہوں،
ٹھاڑی اوگھٹ گھاٹ تھرتھر کانپوں کوں ڈوب نہ جاؤں سانوریا
کہوں احد بنو کہوں احمدؐ کہوں بنو محی الدینؒ !!
من موہ لیو میرو من موہن مکھ میم کی اوڑھ کے چادریا
توری رینی رچی ہے کسم ٹپکے موکرم ہین کو جیا للچے
نا رنگ نہ روپ نہ چھب موہیں کو کا پے رنگاؤں میں چنریا
تیرو برہا بشن گن گاوت ہیں نت نارد من گھرآوت ہیں
تین ہندولی دلین کو ولی من موہن وارثؔ سانوریا
دئے پاپ کی پون نے ات جھونکا موہے پریم ندیا میں بیچ دھارا
وارثؔ کرپا سے بچی موری ڈوبت ڈوبت نادریا
اچرج بن میں موہے سانجھ بھئی اب پریم دیس کیسے پہونچوں
بیدمؔ کہوں کا سے بتھا اپنی میں تو بھولی پھرت ہوں ڈاگریا

ملہار

ساون آئے سکھی سیاں نہ آئے۔ کیسے جیا سمجھاؤں رے
کا کو جھولاؤں پنڈلوا میں گئیاں۔ کا سنگ جھولن جاؤں رے
ساون آئے سکھی سیّاں نہ آئے

اُن بن جیا مورد نکسو جات ہے ۔ کا دیس ڈھونڈن جاؤں رے
سنگ کی سہیلی سب جھلوارے جھولیں ۔ مَیں برہن للچاؤں رے
ساون آئے سکھی سیاں نہ آئے

پوتھی کھول موئے بنا بتاوے ۔ پتیاں پروں ہاہا کھاؤں رے
وارثؔ پیا من موہن میرے ۔ بلم رہے کا ٹھاؤں رے
ساون آئے سکھی سیاں نہ آئے

برہا کی اگن پتوں پیا کو لگ ۔ کولو میں نیر بہاؤں رے
من موہن ہردے بست ہیں ۔ اُن ڈھونڈن کت جاؤں رے
ساون آئے سکھی سیاں نہ آئے

دھرتی میں ہوئے پاتال لو ہیروں ۔ اور اکاس لو دھاؤں رے
پپیہا بن کے مَیں پیا پیا کروں ۔ پنکھ لگائے اوڑ جاؤں رے
ساون آئے سکھی سیاں نہ آئے

جوگن بن کے میں جوگیا کے کارن ۔ انگ بھبوت رماؤں رے
سولھوں سنگھار تجوں اور بیدمؔ ۔ چنزی میں اگ لگاؤں رے
ساون آئے سکھی سیاں نہ آئے

بسنت

چلوری سکھی سنگ سب بسنت مناون پہیر رنگ کی باندھ کے ساری
چلوری سکھی ..

پہلے بسنت وارث کو بندھائیں کہت پھرت گھر گھر نر ناری چلوری سکھی ..
جت چتوا ادت پہیر پہیہہ کیسر رنگ رنگی ہیں کیاری چلوری سکھی ..
امبا بورے سرسوں پھول باگ باگ پھولی پھلواری چلوری سکھی ..
بلہاری دانجر کے بیدمؔ جن کردے موہے متواری چلوری سکھی ..

حق

نذرِ عقیدت

بحضور قبلہ و کعبہ حضرت بیدم شاہ صاحب وارثی رح

السلام اے شاہِ بیدمؒ السلام — السلام اے جانِ عالم السلام
السلام اے نکہتِ گل ہائے دل — السلام اے زیبِ منزل ہائے دل
السلام اے سروِ باغ عارفاں — السلام اے روحِ جانِ عاشقاں
السلام اے قبلۂ اہلِ الیقین — السلام اے راحت جانِ حزیں
السلام اے معدنِ صدق وصفا — السلام اے منبعِ جود و سخا
السلام اے مرشدِ راہِ ہُدا — السلام اے مظہرِ نورِ خدا
عاشقِ محبوبِ سُبحاں السلام — حاصلِ اسرار عرفاں السلام

حضرتِ بیدمؒ سراج العارفیں
از پئے وارث علیؒ سلطانِ دیں
رحم کُن بر حالِ محتاج وفقیر
ایں ایاز خستہ در دامت اسیر

راقم
سگِ دربار وارثِ عالم نواز
ناچیز کمینہ ایس-ایازِ وارث شاہ وارثی

حق

سلام بحضور بیدم شاہ وارثیؒ

مجرا رقم ہے بیدمؒ عالی مقام کا — مقبولِ بارگاہِ رسولِؐ انام کا

جو بھی اسیرِ گیسوئے واللیل ہوگیا — اللہ جانے مرتبہ اس کے مقام کا

رخشندہ ایک نور ہے عالم میں چار سُو — وارث علیؒ کے فیض کا لُطفِ مدام کا

وہ جس سے تیرے مست ہیں کیفیتوں میں گم — ہے انتظار مجھ کو اُسی مے کے جام کا

احرام پوشس وارثِؒ عالم پناہ کے — پیغام لے کے آئے ہیں صلح و سلام کا

اللہُ اللہ جام میں ساگر سمو دیا — یہ حوصلہ یہ مرتبہ تیرے غلام کا

انس و جناں حضورِ رسالت مآبؐ میں — نذرانہ بھیجتے ہیں درود و سلام کا

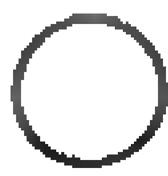
جن کو نصیب خاکِ درِ مُصطفیٰؐ ہوئی — ہے راہ عرش اُن کے لیے ایک گام کا

اِک پل میں بے نواؤں کو سلطاں بنا دیا — ادنیٰ سا ہے کرشمہ تیرے فیضِ عام کا

وہ ہی شریکِ زمرۂ لَایَحْزَنُوْن ہوا — جس نے وسیلہ ڈھونڈ لیا تیرے نام کا

یکساں ہے سب کے واسطے فیضانِ وارثیؒ — ہو ارضِ پاک کا کوئی یا روم و شام کا

آصفؔ نرالے طور نئی رسم و راہ سے
لکھا سلام بیدمِؒ صاحب کلام کا



ٹانڈلیانوالہ ۳۔ جولائی ۱۹۷۵ء ——— آصفؔ صابری جالندھری

حضرت خواجہ حیرت شاہ وارثی علیہ الرحمۃ

سلسلۂ عالیہ قادریہ رزاقیہ کے مقدس بانی سیدنا حضرت شاہ عبدالرزاق قادری چشتی اویسی بانسوی کے فیوض و برکات سے کون انکار کرسکتا ہے۔ آپ کی شانِ ولایت کا ایک ادنیٰ کرشمہ یہ ہے کہ بظاہر آپؒ اُمّی محض تھے لیکن استاذ العلماء حضرت ملّا نظام الدینؒ فرنگی محلی ایسے نامور عالم جن کا مرتب کردہ "درس نظامیہ" پڑھ کر آج بھی لوگ عالم بنتے ہیں، سیّدنا حضرت شاہ عبدالرزاقؒ بانسوی کے مریدوں میں سے تھے۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے ایک مرتبہ عالمِ کشف میں پیشین گوئی فرمائی تھی کہ میری پانچویں پشت میں ایک آفتاب پیدا ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا اور سیدنا حضرت حاجی وارث[1] علی شاہ علیہ الرحمۃ (دیوی شریف) کے ظہورِ مبارک سے یہ پیشین گوئی پوری ہوگئی حضرت سید عبدالرزاق بانسویؒ اور حضرت سیّدنا وارث علی شاہؒ کے درمیان سلسلۂ بیعت میں چار واسطے ہیں۔

حضرت سرکار وارث پاک علیہ الرحمۃ نے سلسلۂ قادریہ کی تمکنت اور سلسلۂ چشتیہ کی رنگینیوں کو ترکیب دے کر جو سلسلۂ وارثیہ جاری فرمایا وہ دِلکشی اور روحانی اثرانگیزی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ حضرتِ وارث پاک علیہ الرحمۃ کے پردہ فرمانے کے بعد جن مختلف اکابر نے اس سلسلۂ پاک کی رونق اور وسعت میں اضافہ فرمایا ان میں سراج اشعراء لسان الطریقت حضرت میاں بیدم شاہ وارثی علیہ الرحمۃ بھی شامل ہیں۔ جنہیں براہِ راست سیّدنا حضرت حاجی وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ بیعت حاصل تھا۔ سلسلۂ وارثیہ کے اس مقدس اور نامور شاعر حضرت بیدم شاہ وارثیؒ کے مریدِ خاص حضرت خواجہ حیرت شاہ وارثی علیہ الرحمۃ تھے۔ جنہوں نے پاکستان میں سلسلۂ وارثیہ کی تنظیم و ترقی کے لیے سب کچھ

---

[1] سرکار پاک حاجی وارث علی شاہؒ کے حالات مع تفصیل بیان کیے جاچکے ہیں۔



سرکار خواجہ حیرت شاہ وارثیؒ کا ایک گروپ فوٹو سالانہ عرسِ پاک یکم صفر سرکار وارث پاکؒ کے موقع پر



سرکار خواجہ حیرت شاہ وارثیؒ کا ایک گروپ فوٹو۔ سالانہ ختم شریف بے نیاز شاہ نیاز احمد صاحبؒ چشتی نظامی کراچی میں منعقدہ

جناب حیرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ شاہ حکیم اللہ نیازیؒ تشریف [illegible]

Marfat.com

قربان کر دیا۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ آپؒ کے وصال سے سلسلۂ وارثیہ کے اکابر کی آخری نشانی مٹ گئی ؎

نیست آں موئے مگر سلسلہ ارواح است
نیست آں روئے مگر کارگہِ صنعِ خدا است
گر بہ شمشیرِ محبت کشی من زندہ شوم
در جفا کاری کنی نزدِ من آں عین وفا است

(بخشیٔ ہند بو علی شاہ قلندر)

حضرت خواجہ حیرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ ماہ جنوری ۱۸۹۴ء میں بمقام جالندھر (مشرقی پنجاب۔ بھارت) میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کے والد حضرت میاں احمد بخش وارثیؒ ایک صوفی منش، صاحبِ ریاضت بزرگ تھے۔

آپؒ نے ابتدائی تعلیم جالندھر شہر ہی میں حاصل کی اور اس کے بعد لاہور آکر سلسلۂ تعلیم جاری رکھا اور یہاں سے بی اے کی ڈگری حاصل کی اور گورنمنٹ پنجاب محکمہ تعلیمات میں سرکاری ملازمت اختیار فرمائی۔ اس کے بعد چند سال تک محکمہ مال و پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف میں معزز عہدوں پر فائز رہے۔

ایک دفعہ راقم الحروف سے حضرت حیرت شاہ وارثی علیہ الرحمۃ نے ایک واقعہ بیان فرمایا، کہ انبالہ شہر (مشرقی پنجاب۔ بھارت) میں دورانِ ملازمت کرائے کے مکان کی ضرورت پڑی۔ مَیں نے اس ضرورت کا ذکر اپنے دوست احباب اور دفتر کے عملہ سے بھی کیا۔ شہر میں ایک آسیب زدہ مکان خالی تھا۔ اس مکان میں کرائے دار تو کجا مالک مکان بھی رہائش نہیں رکھ سکتا تھا۔ میرے دوستوں نے مذاق کے طور پر یہ خالی مکان مجھے لے دیا۔ جب مَیں نے کرائے کا ذکر کیا کہ اس مکان کا کتنا کرایہ دینا پڑے گا تو انہوں نے ہنس کر ٹال دیا کہ پہلے آپ اس میں اپنی رہائش رکھیں بعد میں کرائے کا دیکھا جائے گا۔ ہم نے بھی یہی سوچا کہ چلو پہلے سامان وغیرہ ترتیب سے رکھیں اور صفائی وغیرہ کردائیں۔ کرائے کا بعد میں طے کر لیا جائیگا۔ مَیں نے نوکر اور چپڑاسی کی مدد سے اپنا سامان وغیرہ قرینے سے لگوا دیا اور خود شام کو کھانا کھانے کے بعد نماز ادا کی۔ سامان کے ساتھ

پلنگ بھی تھا جو مَیں نے لوگوں کے دکھا دے کے لیے ساتھ رکھا ہُوا تھا حالانکہ رات کو مجھے عبادت کے لیے رَت جگا کرنا پڑتا تھا۔ تو مَیں نے اپنا بستر مکان کے ایک گوشے میں بچھالیا۔ اور یہ میرا معمول تھا۔

شُدم غرقابِ حیرت کاندریں بحر
زگوہر ہا کہ ایں آب دار است (بخشیِ ہند بو علی شاہ قلندرؒ)

مَیں اپنے بستر پر بیٹھا ہُوا ذِکر و فکر میں مشغول تھا کہ آدھی رات کے وقت وہ جنّ صاحب جن کا اس مکان پر قبضہ تھا تشریف لے آئے اور آتے ہی کے ساتھ ہی کہا کہ اگر آپ وارثی نہ ہوتے تو آپ کا حال بھی سابقہ کرائے داروں کی طرح کرتا جیسا کہ مَیں پہلے کرتا چلا آرہا ہُوں۔ مَیں بالکل نہیں گھبرایا بلکہ یہ کہا کہ اگر آپ حکم فرمائیں تو مَیں یہاں دیا بتی جلا دیا کروں گا۔

خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

جنّ صاحب نے کہا کہ اب آپ یا کوئی۔ اور جو بھی آوے مجھے کوئی عذر نہیں اب میں ہمیشہ کے لیے اس مکان سے دست بردار ہوتا ہُوں یعنی چھوڑے جاتا ہُوں۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور اسکے بعد مَیں نے اس کی شکل تک نہ دیکھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھی سرکار وارث پاک علیہ الرحمۃ کا دامن گرفتہ تھا۔ صُبح کو اُٹھ کر ناشتہ سے فارغ ہو کر دفتر گیا تو راستے میں دوست و احباب نے پوچھا اور سوالیہ نگاہوں سے مُسکرائے کہ رات کیسی گزری۔ ہم نے کہا کہ رات بڑی اچھی گزری اور کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ جب تک ہم انبالے شہر میں رہے اسی مکان پر رہے۔ جب مکان چھوڑا تو مالک مکان نے ہمیں بہت دعائیں دیں [1]

ع تیرا دھن دھن بڑھے سہاگ

۱۹۲۷ء میں آپؒ دہلی سے بغرضِ زیارت و حاضری سرکار سیدنا وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ اقدس پر تشریف لے گئے بمصداق

انہیں کی طرف سب چلے جارہے ہیں
کوئی بشہ سوار اور کوئی پا پیادہ

---

[1] یہ واقعہ غالباً احرام پوشی سے پہلے کا ہے۔

حق

بلائیں لوں تیری اے جذبِ شوق صلی علیٰ
کہ آج دامنِ دل کھنچ رہا ہے سوئے رسولؐ

۱۹۲۷ء میں حضور میاں حیرت شاہ وارثی رحمتہ اللہ علیہ کی حضور میاں بیدم شاہ وارثیؒ کے دستِ حق پرست پر رنگین پوشی یعنی احرام پوشی ہوئی اور ملازمت کو آپؒ نے خیرباد کہہ دیا یہاں تک کہ گھر بار بھی چھوڑ دیا۔ اور روزے جاری رکھنے کا حکم سرکاری طور پر ہوگیا۔ جس میں آپؒ نے طے کے روزے رکھے اور یہ سلسلہ کئی سالوں تک چلا۔ جس میں آٹھ آٹھ دن کے بعد بھی افطاری ہوتی رہی۔ آپؒ اکثر موج میں آکر فرمایا کرتے تھے کہ کپورتھلہ (بھارت) کے جنگلوں میں اکثر راتیں بسر ہوتی تھیں اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔

الا ان اولیاء الله لاخوف علیهم ولاهم یحزنون ط

ایک دفعہ میاں سراج دین (حکیم) وارثی متوطن دیوٰی شریف (بھارت) حال مقیم کراچی نے ایک واقعہ آپؒ کی احرام پوشی کا سنایا کہ جب میاں حیرت شاہ علیہ الرحمتہ کی احرام پوشی ہوئی۔ تو سارے دیوٰی شریف میں مٹھائی بٹی تھی اور وہ مٹھائی ہم نے بھی کھائی تھی۔ آپؒ اس وقت سرکاری معزز عہدے پر فائز تھے اور انگریزی لباس زیبِ تن تھا جس کو حضرت میاں بیدم شاہؒ نے اتار کر فقیری لباس پہنا دیا اور بہت سخت مجاہدے آپؒ سے کروائے گئے۔ آپؒ دیوٰی شریف کی حاضری میں استعفیٰ دے کر آئے تھے اور باقی ماندہ زندگی آپؒ نے فقیری کی اور احکاماتِ وارثیہ کو خوب نبھایا سچ تو یہ ہے کہ آپؒ واقعی "فنا فی الوارث" تھے۔

آپؒ روزے کی افطاری کے لیے سوکھی روٹی پانی میں بھگو کر تناول فرماتے تھے اسی سے روزہ رکھا جاتا تھا اور اسی سے افطاری ہوتی تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ روزہ داری ایک مخفی عبادت ہے اور روزہ رکھنے سے نفس مغلوب ہوتا ہے اور روحانیت پرورش پاتی ہے۔

سلسلۂ وارثیہ میں اکثر درویش ایسے دیکھے اور سُنے گئے ہیں جو صائم الدہر تھے اور قائم اللیل تھے۔

آپؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ شوق سے روزے رکھنا عاشقوں کی سنت ہے اور خدا کی محبت بڑھتی ہے۔

حق

آپؒ نے تمام عمر کوئی مکان وغیرہ نہیں بنوایا۔ بقول سرکار وارث پاکؒ فقیر کا کوئی گھر نہیں ہوتا اور تمام گھر فقیر کے ہوتے ہیں اور ساری زندگی سیاحت میں گزار دی ۔

حُسن والوں میں بھی اب تو ہو رہے ہیں تذکرے
سُن رہے ہیں آجکل حیرتؔ کفن بردوش ہے

یعنی جیتے جی کفن پوشی "موتوا قبل انت موتوا" کا کھلا ہوا دائمی مجاہدہ ۔

اگر شوقِ شہادت ہے تو پھر تیار ہو بیدمؔ
کہ شرطِ جاں نثاری ہے کفن بردوش ہو جانا

آدابِ شیخ

آپؒ نے اپنے شیخِ پاکؒ کے احکامات کی بھرپور پابندی فرمائی اور جس طریقے اور تعلیمات سے آپؒ کو گزرنا پڑا واقعی بہت کٹھن راستہ ہے۔ میاں بیدم شاہ علیہ الرحمۃ نے بھی آپؒ کو نوازنے میں کمی نہیں چھوڑی ۔ آپؒ نے جو مانگا ۔ وہی ملا ۔

پہلے میرے ظرفِ مے نوشی کو دیکھا، دیکھ کر
دے دیا ساقی نے میخانے کا میخانہ مجھے

میاں بیدم شاہ علیہ الرحمۃ کی تشریف آوری جالندھر شہر میں اکثر ہوتی رہی اور میاں حیرت شاہ وارثیؒ کے توسل سے بہت سے بھائی سلسلۂ عالیہ وارثیہ میں داخلِ بیعت ہوئے۔ جن میں میاں ابر شاہ وارثیؒ جالندھری بھی تھے ۔

میاں حیرت شاہ وارثیؒ کا معمول تھا کہ جب تک آپؒ جالندھر شہر میں قیام رکھتے تو آپؒ روزانہ شام سے صبح تک حضور امام ناصر پنج پیر علیہ الرحمۃ کے درگاہ پاک پر رت جگا فرماتے اور ذکر میں مشغول رہتے تھے ۔ آخر کچھ عرصہ کے بعد آپؒ نے سلسلہ عالیہ وارثیہ کی تبلیغ کے لیے "جمیعتہ الوارثیہ" کی طرح ڈ بنیاد جالندھر شہر۔ کرتار پور (بھارت) موضع نڈالہ (ریاست کپورتھلہ ۔ بھارت) ریلوے اسٹیشن ڈھلواں امرتسر (بھارت) پاک پتن شریف ۔ ملتان ۔ بہاولپور تمام مقامات پر نیز کراچی شہر تک اس کے مرکز کھولے گئے اور رکن سازی ہوئی ۔ قریب قریب ہر مقام پر متعدد اعراس پاک انعقاد پذیر ہوتے رہے ۔

حق

زاہد میری قسمت میں سجدے ہیں اسی در کے
چھوٹا ہے نہ چھوٹے گا سنگِ درِ جانانہ

دلہٗ

بابِ رحمت ہے درِ وارثؒ زمانے کے لیے
ہم بھی آ بیٹھے ہیں قسمت آزمانے کے لیے

(میاں بیدم شاہ وارثیؒ)

کس طرف سے چلی کس جہاں سے چلی
یا خدا یہ محبت کہاں سے چلی
بندگی میں نہیں شرطِ دیر و حرم
بندگی یار کے آستاں سے چلی

(شمسی وارثیہ بارہ بنکی)

امرتسر (بھارت) ہی میں الحاج میاں انوار شاہ وارثیؒ رہتے تھے۔ آپؒ نے بھی حضرت فقیر اوگھٹ شاہ وارثیؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی تھی اور میاں حیرت شاہؒ کے ہمعصر تھے۔ صحیح معنوں میں درویش تھے۔ آپؒ کی زندگی کا زیادہ حصہ میاں حیرت شاہؒ کی صحبت میں گزرا تھا۔ آپؒ کی ملاقات میاں حیرت شاہؒ سے دیوے شریف میں سادہ رنگین لباس میں ہوئی۔ اس کے بعد دہلی شریف میں آستانہ سلطان جیؒ پر ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ میاں حیرت شاہؒ کے فقیرانہ مشورہ پر راز دارِ کن فکاں۔ مقیم آستانِ فلک نشاں حضرت اوگھٹ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے درِ دولت پر حاضر ہو کر بیعت کے ساتھ ساتھ احرام پوشی ہوئی۔ آپؒ کے عقیدت مند زیادہ تر بہاولپور میں رہتے ہیں۔ آپؒ نے افغانستان، ایران، عراق اور عرب ممالک کی بھی سیاحت فرمائی اور کئی ایک حج کیے اور برِ صغیر کی دور دراز خانقاہوں کی زیارات خاص ذوق سے ادا فرماتے تھے۔

ما مقیمانِ کوئے دلداریم
رُخ بدنیا و دیں نمے آریم

آپؒ کا وصال ۱۹۶۹ء میں بہاولپور میں ہوا۔ وہاں سے آپؒ کے جسدِ مبارک کو لاہور لایا گیا اور

حق

سوتر ملز جی ٹی روڈ۔ لاہور میں دفن کیے گئے۔ آپؒ کے مزارِ اقدس کی تعمیر شروع ہے ؎

نورِ خالق کا درخشاں ہے ستارہ انسان
رازِ قدرت کا ازل سے ہے سہارا انسان

حج

آپؒ نے غالباً ۱۹۳۶ء یا ۱۹۳۷ء میں پہلا حج ادا کیا اسکے ساتھ افغانستان، ایران، عراق۔ مصر، اردن، شام، دمشق تقریباً تمام عرب ممالک کی سیاحت فرمائی اور خانقاہوں پر برابر ہر سال بلاناغہ حاضری ہوتی رہتی۔ سچ تو یہ ہے کہ آپؒ کی ساری عمر شریف سیاحت میں گزری۔ آپؒ نے کل ستائیس ۲۷ حج کیے اور ہندوستان پاکستان کی تمام خانقاہوں پشاور سے لے کر کلکتہ اور بمبئی تک برابر حاضری چڑھاتے رہے اور برابر بزرگانِ سلسلہ کے اعراس پاک میں شرکت فرماتے رہے ؎

اوگھٹ جوا پریم کا کبھی نہ جس میں ہار
داؤں پڑے تو لیں گسائیں ہارے بیڑا پار

ولہٗ ؎

اوگھٹ رہو پریم کے بھگتی جبتک گھٹ میں پران
پوجا کرو کرشن کا اور جمنا میں اشنان

برہنہ پاؤں رہنے کی وجہ سے آپؒ کے پاؤں بھاری ہو گئے تھے اور جسم میں بھی تقریباً موٹاپے کا مرض ہو گیا تھا مگر آپؒ نے سنّتِ شیخِ پاکؒ کے احکامات کے بجالانے میں سرِمُو فرق نہ آنے دیا

پاکستان کے قیام سے پہلے ۱۹۳۲ء میں آپؒ کا قیام زیادہ تر امیر علی بلڈنگ ریلوے روڈ لاہور میں رہا۔ حضور داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کے مزارِ اقدس پر شب باشی اور حاضری برابر رہی اور لاہور میں اعراس پاک کا انعقاد پذیر بقول میاں انوار شاہ وارثیؒ زوروں پر ہوتا تھا اور محافلِ پاک میں آدابِ محفل کو ملحوظِ خاطر رکھا جاتا تھا۔

درویشوں سے آگے بیٹھنے کو بہت بُرا خیال کیا جاتا تھا۔ بلکہ بے ادب گردانا جاتا تھا۔ محفلِ پاک میں نظر گزارنے کے طور طریقے تقریباً وارثی درویشوں سے چلے تھے۔ اور کسی کی کیا مجال کہ ننگے سر بیٹھے یا حقے سگریٹ کا استعمال ہو۔ وہ محفلیں آج کل کی محفلوں کی طرح نہیں ہوتی تھیں۔ جس میں اکثر سمجھ

حضرت آج بھی آدابِ محفل کو جان بوجھ کر ملحوظِ خاطر نہیں رکھتے ۔ کہیں کوئی باتیں کر رہا ہے کوئی سگریٹ پی رہا ہے اور تو اور ساتھ ساتھ مذاق بھی ہوتا جا رہا ہے۔ سرکاری کلام یعنی اولیاء اللہ کے کلامِ پاک سننے سے اللہ کی رحمت ہوتی ہے ۔ سماع درویشوں کی روحانی غذا ہے انہیں کو اُن کے آداب کی بھی معلومات ہیں ۔

الاعند ذکر الاولیا تنزل رحمۃ اللہ

گوش کرمی دارد و سر خالی از سودائے یار
شیخ گر حظے نے گیرد وز آہنگِ سماع

(بو علی شاہ قلندر)

۱۹۳۷ء میں آپؒ نے سعدی پارک مزنگ ۔ لاہور میں قیام اختیار فرمایا۔ اسکے بعد پاکستان کا قیام وجود میں آیا۔ بعد از قیامِ پاکستان ۱۹۵۲ء میں برلبِ دریائے چناب نزد چنیوٹ ایک مندر میں قیام فرمایا ۔ قدرت نے انہیں کسی جگہ مقیم ہونے کا استحکام نہیں بخشا تھا آپؒ نے تقریباً عمر کا تمام حصہ سیاحت میں گزارا ۔ سیاحت میں بھی آپ ذکر و فکر سے غافل نہیں رہے ۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ط

اس کے بعد آپؒ چنیوٹ سے کراچی تشریف لے گئے ۔ وہاں پر آپ نے میاں الف شاہ وارثی (احرام پوش فقیر) کے عقیدت کے ہاں قیام فرمایا ؎

نہ تو اپنے گھر میں قرار ہے نہ تیری گلی میں قیام ہے
تیری زُلف و رُخ کا فریفتہ کہیں صبح ہے کہیں شام ہے

کراچی تقریباً ۱۹۵۸ء میں تشریف لے گئے تھے ۔ وہاں سے آپؒ دیوٰی شریف ضلع بارہ بنکی (بھارت) سرکار پاکؒ کے کاتک کے میلے میں تشریف لے گئے ۔ کراچی تشریف لانے کے بعد آپؒ نے حرمین شریفین کی زیارتوں کا قصد فرمایا۔ ۱۹۶۰ء میں راقم الحروف بھی کراچی گیا تھا ۔ وہاں کی محافلِ پاک کی رونقیں اور اہتمام اعراس پاک اپنی مثال آپ تھیں ۔

موسیقی سے آپؒ کو کافی سے زیادہ لگاؤ تھا۔ اور موسیقی کے تار و پود سے بخوبی واقفیت رکھتے تھے ۔ بلکہ آوازِ خوش زندگی کا سہارا ، دماغی کاوشوں کا مداوا اور جسم و روح کے سارے امراض کا علاج تھا

حق

ع ایں نسخہ از بیاضِ مسیحا نوشتہ اند

(نظیری نیشاپوری)

آپؒ کو موسیقی کے فن پر کافی دسترس حاصل تھی بلکہ اس کا ایک بیّن ثبوت یہ ہے کہ آپؒ نے مولوی مبارک علی خاں، فتح علی خاں قوال کی اس فن میں اصلاح فرمائی۔ اور انہیں نفسِ فن کے دقیق نکات سے روشناس کرایا اور اپنی شخصی محفل سے کافی محنت کروائی۔

حقیقت یہ ہے کہ موسیقی اور شاعری ایک ہی حقیقت کے دو مختلف جلوے ہیں اور ٹھیک ایک ہی طریقے پر ظہور پذیر بھی ہوتے ہیں۔ موسیقی کا مولف الحان کے اجزا کو وزن و تناسب کے ساتھ ترکیب دے دیتا ہے۔ اسی طرح شاعر بھی الفاظ و معانی کے اجزا کو حسن ترکیب کے ساتھ باہم جوڑ دیتا ہے

ع توحنا بستی و من معنی رنگین بستم (غنی کاشمیری)

آپ قوالی کی جان اور رُوح تھے۔ جس محفل میں جا کر بیٹھ گئے۔ محفل کے میرِ مجلس ہو گئے۔ تمام سامعین کی توجہ کا مرکز تھے۔ اگر کوئی ناقص قوال بھی حاضری دیتا تو وہ آپؒ کی توجہ سے کامل ہو جاتا اور عمر بھر کے لیے آپؒ کا غلام ہونے کا فخر کرتا تھا۔ آپؒ کی نظرِ کرم بھی محفل میں زیادہ تر قوالوں پر ہوتی تھی۔ جو کچھ آپؒ کے پاس ہوتا۔ سب کچھ لُٹا دیتے اور نذر کر دیتے یہاں تک کہ احرام شریف کی بھی تقسیم اس طریقے سے فرماتے کہ فقط چھوٹا سا ٹکڑا تن ڈھانپنے کو رکھتے اور باقی سب نذر ہو جاتا۔

ع منِ بے مایہ کہ باشم کہ خریدارِ تو باشم

ایک دفعہ تقسیمِ ہند سے پہلے آپؒ کلیر شریف کے عُرس پر تشریف لے گئے۔ محفل سماع میں مولوی مبارک علی خاں اور فتح علی خاں (مرحومین) قوالی پیش کر رہے تھے۔ میاں بیدم شاہ وارثی علیہ الرحمۃ کا کلام پڑھا جا رہا تھا۔ کلام یہ تھا ؎

بابِ رحمت ہے درِ وارثؒ زمانے کے لیے
ہم بھی آ بیٹھے ہیں قسمت آزمانے کے لیے

آپؒ کے قریبی عزیز و اقارب بھی اس عرسِ پاک میں گئے ہوئے تھے۔ جب آپؒ سب کچھ نذر کر چکے تو اُن عزیزوں کے سامان پر آپؒ کی نظر پڑ گئی۔ آپؒ نے ایک اٹیچی کیس جس میں اُن کا زیور بھی تھا۔ اُٹھا کر قوالوں کی نذر کر دیا۔ وہ لوگ بہت پریشان ہوئے۔ آخر آپؒ کے ایک عزیز نے درخواست کی کہ اس بکس

حق

ہیں بچوں کا زیور بھی ہے۔ آپؒ فرمانے لگے جب فقیر کوئی چیز نذر کر دیتا ہے تو اس کو واپس لینا خلافِ آداب ہے۔ آخر کار وہ خاموش ہو گیا۔

خسرو بکمندِ تو اسیر است

بے چارہ کجا رود ز کویت

لاہور میں دوار کا ناتھ نام کا ایک بزاز رہتا تھا۔ اُسے سماع کا حد سے زیادہ شوق تھا اور گولڑہ شریف پیر سید مہر علی شاہ چشتی نظامی علیہ الرحمۃ کے قوالوں کو مدعو کرتا تھا۔ اس کی محفل میں ہندو مسلم کی قید نہیں تھی۔ دور دراز علاقوں سے درویش بھی آیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ اُس نے میاں حیرت شاہ وارثیؒ کو دعوتِ خصوصی سے محفلِ پاک میں شمولیت کے لیے درخواست گذاری۔ آپؒ اس محفل میں تشریف لے گئے، آج بھی جو بزرگ زندہ ہیں اور اس محفل پاک میں شریک تھے وہ کہتے ہیں کہ ایسی زور دار اور بابرکت محفل بہت کم دیکھنے میں آئی۔ دوار کا ناتھ، میاں صاحبؒ کے ساتھ قوالی سُن کر بہت محظوظ ہوا۔ دوار کا ناتھ کہنے کو تو ہندو تھا مگر مسلمانوں سے بہت زیادہ عقیدت رکھتا تھا۔ مسلمان درویشوں کی محفلوں میں اکثر جاتا

ع جان و دل اے دوست قربانت کنم

حویلی نتھا نیداراں مزنگ اور سعدی پارک میں وارثیوں کی بہت محفلیں ہوئیں جس میں حضور قبلہ میاں بیدم شاہ وارثی علیہ الرحمۃ کے زیرِ نظر اور فیض اثر ایسی زور دار محافلِ پاک ہوئیں کہ اکثر بزرگوں کے دل کی بات بن گئی اور مشکلیں حل ہو گئیں۔

اگر آں ترکِ شیرازی بدست آرد دلِ مارا

بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

محفلِ عرس پاک کا اہتمام اور اس کے آداب کو ملحوظِ خاطر رکھنا یہ بس آپؒ ہی کا حصہ تھا۔ قل شریف کے وقت تبرکات شریف کو سروں پر اُٹھا کر لانا اور کیا مجال کہ ننگے سر اس کام کو انجام دیں۔ ننگے سر محفل میں بیٹھنے والوں کو فرمایا کرتے تھے کہ ننگے سر رہنا یا بزرگوں کے قریب بیٹھنا آسمانی بلاؤں کو دعوت دینا ہے۔ محفلِ پاک کا جتنا ادب کیا جائے۔ اتنا ہی انسان بانصیب ہوتا ہے اور رحمتِ الٰہی میں پروان چڑھتا ہے ع

بے ادباں مقصود نہ حاصل۔۔۔

حق

آں عقل کجا کہ از کمال تو رسد   وآں دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد

گیرم کہ تو پردہ برگرفتی ز جمال

آں رُوح کجُا کہ در جلالِ تو رسد

حضرت بابا فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بقول قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کہ تین وقت نزولِ رحمت ہوتا ہے۔ اوّل سماع کے وقت۔ دوئم طاعت کی نیت سے کھانا کھاتے وقت سوئم درویشوں کے حالات دریافت کرتے وقت۔

اگر آپؒ محفلِ پاک کے لیے کسی کو دعوت نامہ بھیجتے تو اس دعوت نامے میں تحریر فرماتے!

"متلاشیانِ حقیقتِ عرفاں، آرزومندانِ محبتِ دین و ایمان، طالبانِ تحقیقی ذوق و وجدان اور اس مسموم مغرب زدہ صدی کے گمرہاں آئیں اور صاحبِ کلام رُوح الاقلام والیٔ ولایتِ عشق سرکارِ خیرالانامؐ۔ اہلبیتؓ صحابہ کرامؓ و اولیائے عظامؒ سے

بیدمِ خستہ ہے کہاں اصل میں کوئی اور ہے

زمزمہ سنجِ بے خودی نغمہ طرازِ سازِ عشق

کی رحمتوں سے چشماں و گوش و قلوب کو بہرہ مند کریں۔"

آپؒ کے نام کی نسبت ایسی تھی کہ جو کوئی محفل میں آکر حاضری دیتا، حیرت زدہ ہوجاتا تھا اور وہ محفل کیا ہوتی عکسِ حیرت ہوتی تھی اور یہ نام آپؒ کو حضور میاں بیدم شاہؒ سے عطا ہوا تھا۔

شیخ المشائخ شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہُ العزیز فرماتے ہیں کہ:

"جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست بنانا چاہتا ہے تو اُس پر ذکر کا دروازہ کھول دیتا ہے اور حیرت کی سرائے میں لاتا ہے جو اس کی عظمت اور بزرگی کا مقام ہے۔ پس وہ شخص اللہ تعالیٰ کی حفظ و حمایت میں ہوتا ہے۔"

آپؒ کے پاس اس قدر فتوح اور نذرانے آتے تھے کہ اگر آپؒ انہیں جمع کرتے تو خزانے بن جاتے مگر آپؒ کے پاس جو کچھ آیا۔ راہِ خُدا میں صرف کر دیا۔

میاں بیدم شاہ علیہ الرحمۃ نے آپؒ کو ایسا دستِ غیب عطا فرمایا تھا کہ آپؒ نے فقیری میں شہنشاہی کی اور ہر حاجت مند کی ضرورت سے زیادہ حوصلہ افزائی فرمائی اور کچھ نہ کچھ دے کر رخصت

کرتے اور فرماتے اللہ سب کا سب کا وارث ہے۔ جس کو ہم مانتے بیٹھے ہیں اس کا نام رزّاق ہے۔
سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف ہے۔ "حب الدنیا راس کل خطیئۃ"
دُنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے۔ بقول اہلِ معرفت:
"من ترك الدنيا ملك ومن اخذها هلك"۔ جس نے دُنیا کو چھوڑ دیا وہ بادشاہ بن گیا اور جس نے اِسے لیا وہ ہلاک ہوگیا۔
"جس درویش نے دنیا کا کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور مال و مرتبہ و ترقی چاہی ہے وہ درویش نہیں بلکہ طریقت کا مرتد ہے۔ اس واسطے کہ دنیا سے روگردانی کا نام فقر ہے۔" الحمد للہ علیٰ ذٰلک
سرکار وارث پاک علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے کہ درویش یا فقیر کو مجرّد ہونا چاہیے اور اسی سلسلے میں بابا فرید علیہ الرحمۃ کا فرمان ہے کہ درویش مجرّد ہونا چاہیے اور اسے ایک ملک سے دوسرے ملک میں سیر کرنی چاہیے ؎

ہر آں ملکے کہ واپس مے گزارم
دو صد ملکے دگر در پیش دارم

خواجۂ خواجگان سرتاج قطب الحق والدین بختیار اوشی چشتی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جب لطفِ الٰہی کی نسیم چلتی ہے۔ تو لاکھوں شرابیوں کو صاحبِ سجادہ بنا دیتی ہے اور بخش دیتی ہے اور خدا نہ کرے اگر قہر کی ہوا چلے تو لاکھوں سجادہ نشینوں کو راندۂ درگاہ بنا دیتی ہے اور سب کو شراب خانوں میں دھکیل دیتی ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلك۔
آپؒ فرماتے ہیں کہ صاحبِ طریقت اور مشتاقِ حقیقت لوگوں کو سماع شریف میں اس قسم کا ذوق حاصل ہوتا ہے جیسا کہ بدن میں آگ لگ اُٹھتی ہے اگر یہ نہ ہوتا تو لقا کہاں ہوتا اور لقا کا لُطف ہی کیا۔ رباعی ؎

ذکرِ خوشِ تو ز ہر دہن مے شنوم
شرحِ غمِ تو ز خویشتن مے شنوم
گر ہیچ نہ باشد کہ یکے منشانم
تا نامِ تو مے گوید و من مے شنوم

حق

یہ بھی فرمایا کہ درویشی بڑا آرام ہے اور دنیاوی آفتوں سے محفوظ ہے لیکن درویشی کے کام میں سختی بہت ہے۔ جس رات درویشوں کو فاقہ ہوتا ہے وہ اس کی معراج ہوتی ہے بقول

"معراج الفقر فی لیلۃ الفاقہ"

فقر کا معراج فاقے کی رات ہوتا ہے۔

آپؒ نے فرمایا! ایک دفعہ ریاست پٹیالہ (بھارت) کے ایک قصبے میں ہمارا گزر ہُوا۔ وہاں ایک مست و مجذوب درویش سے ملاقات ہوگئی۔ اس کے ساتھ بہت سی باتیں ہوئیں دورانِ گفتگو اس نے فرمایا کہ تمام اہلِ سلاسل ایک ایک پیٹ رکھتے ہیں مگر سلسلہ وارثیہ کے باشرع درویش و فقرار پانچ پانچ پیٹ رکھتے ہیں۔ اِن کے دروازے سے سائل کا تہی دست جانا انکی عظمت اور شان و شوکت کے منافی ہے۔ اِن کے ہاں بکتی نہیں بٹتی ہے۔ بٹتی کیا ہے کرم و فضل و بخشش کے دریا بہتے ہیں جس کو دُنیا میں حصّہ نہیں ملتا۔ اُس کی قبر میں ٹھونسا جاتا ہے۔ ان کے گھر کی دولت ہے دونوں ہاتھوں سے لُٹاتے ہیں ؎

ساقیا جاری رہے یوں ہی سبیلِ مے کشی
تا ابد قائم رہے آباد میخانہ تیرا

اگر کوئی شخص آپؒ کو سلام کرنے میں سبقت لے جاتا۔ تو آپؒ اس کا جواب بہ ایں الفاظ فرماتے۔ اللہ اللہ وعلیکم اسلام ؏

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

آپؒ جب بھی طعام تناول فرماتے تو سر کو ڈھانپ لیتے، فرمایا کرتے تھے کہ ننگے سر کھانا کھانے سے رزق میں کمی آجاتی ہے کھانے کا بہت زیادہ ادب فرمایا کرتے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد آپ پسے ہوئے نمک کی ایک چٹکی لے کر انگلی کے ساتھ دانت صاف کرتے۔

الحمد للہ الذی اطعمنا و سقانا و جعلنا من المسلمین ۔ یا خیر الوارثین

ادب کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی احرام پوش یا کسی دوسرے سلسلے کے درویش تشریف لاتے تو آپؒ اُٹھ کر باادب کھڑے ہوجاتے اور جو معتقدین آپؒ کے پاس بیٹھے ہوتے اُن کو بھی باادب کھڑا ہونے کی تلقین فرماتے اور یہ فرماتے کہ یہ میرے وارثِ پاک علیہ الرحمۃ کا رنگین پوش ہے ؏

اک تیرے دم بدلے میں سارے ٹبر دی گولی

حق

میاں بیدم شاہ علیہ الرحمۃ کے صاحبزادوں کا حد سے زیادہ ادب کیا کرتے۔ یہاں تک کہ اگر اُن کے سامنے تشریف لے جاتے تو نظریں جھکائے ہوئے اور سہمے سہمے باتیں کرتے اور ان کی خدمت کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھتے۔ جب کبھی اُن کو خط لکھنے کی نوبت آئی۔ تو آپؒ بہ ایں القاب وآداب خط تحریر فرماتے: "میرے مولا و آقا کی نشانی" یا "راحت جان و دل"

اے جان و تنم فدائی نامت
ہر لحظہ ز دِل کنم سلامت

آپؒ کے دسترخوان پر بیسیوں دنیا دار اور درویش جمع ہوتے تھے اور دسترخوان پر اعلیٰ سے اعلیٰ کھانا چنا جاتا تھا۔ مگر آپؒ ہمیشہ دال یا ساگ سے ایک آدھ چپاتی تناول فرماتے یا پھر قورمہ کے پیالے میں سے ایک آدھ نوالہ ترک کے تناول فرماتے تھے بس یہی آپؒ کی خوراک تھی۔ چائے کا آپؒ کو بہت زیادہ شوق تھا۔ چائے بھی ایسی جس میں دودھ نہیں ہوتا تھا۔ بس خالی چائے کی پتی ابال کر بغیر چینی کے استعمال فرماتے۔ رباعی

ایں ظرف مدام پر ز نعمت بادا
دائم بمیانِ بزمِ صحبت بادا
ہر کس کہ خورد طعام گوید بیقیں
بر صاحب ایں طعام رحمت بادا

آپؒ نے کبھی پان کا استعمال نہیں فرمایا تھا۔ مگر جب حضور میاں شاہ وارثیؒ کا عرسِ پاک یا ختم شریف ہوتا تو جو تبرکاتِ پاک پیش ہوتے اُن میں پان کی گلوریاں بھی ہوتیں جو چاندی کے ورقوں میں لپٹی ہوئی ہوتیں تو آپؒ تبرک کے طور پر پان کا چھوٹا سا ٹکڑا تناول فرما لیتے۔

کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
یوں ہے کہ مجھے دُردِ تہ جام بہت ہے

آپؒ نے ۱۹۶۳ء میں کراچی شہر سے ایک پندرہ روزہ رسالہ جاری کیا جس کا نام سرکار عالم پناہؒ کے نامِ نامی "الوارث" سے منسوب کیا جس کو اب آپؒ کے صاحبزادے میاں محمد ارشاد وارثی چلا رہے ہیں۔

حق

آپؒ نے اپنی زندگی میں تقریباً ۱۵ رسالے شائع کیے۔

ہر گھڑی پیشِ نظر ہو تیری تصویرِ خیال
خانۂ دل تیرے مذکور سے آباد رہے

آپؒ فرمایا کرتے تھے۔ یہ اس مالکِ کونین اور خالقِ برحق کی حقیقی رحمتِ کاملہ کا حیرت فشاں کرشمہ ہے کہ کبھی نہ کسی اور کسی نہ کسی روپ میں وہ ذاتِ محیطِ کل منصۂ شہود میں جلوہ افروز ہو کر کائنات کی تسکین کا موجب ہوتی رہی۔ مثلاً اگر بعثتِ سرورِ انبیاء سرکار آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل انبیاء علیہم السلام نے مختلف ممالک میں مختلف شانوں کے ساتھ نزولِ اجلال فرما ہو کر شانِ خلیلؑ وکلیمؑ دکھائی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی بنسری سے صوتِ سرمدی کی لہر جگائی۔ دوسرے بعد کے دور میں حالانکہ اسمِ اقدس نبوت کا انقطاع کلی ہوا مگر کارہائے نبوت بڑی شان وشوکت سے جاری و ساری رہے۔ بالخصوص حضرت سرکار سید الشہداء، شبیرِ کربلا حضرت امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ گرامی نے تو وہ ازلی کرشمے بکھیرے جو حقیقتاً آپ ہی کا ازلی حصّہ تھا۔ بقول پیشوائی دستگیری حضرت لسان الطریقت قبلہ بیدم شاہ صاحب وارثیؒ ؎

ان شہیدانِ وفا کی داستاں سمجھے گا کون
قطرہ قطرہ جن کے خوں کا قلزمِ صد راز نکلا

اور مابعد حضرات غوث الثقلین میراں محی الدینؓ و سرکار والیٔ ہند، عطائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خواجہ غریب نوازؒ اور ارکانِ مابعد در طول وعرض ملکِ ہندوستان و پاکستان، عراق و عجم نے کوسِ لِمَنِ الملک بجایا بقول حضور قبلہ وکعبہ ؎

ہر اک ذرے میں انی انا اللہ کی صدا ساقی
عجب میکش تھے جنکی خاک میں بھی جوشِ مستی ہے

تو اس بر خود غلط۔ گجرد اور مسموم صدی میں حضور خیر الوارثین، امام الاولیاء، برہان الاتقیاء، قبلۂ زبان و اہلِ زبان حضرت سیدنا وارثِ عالم پناہ کی ذاتِ اقدس نے انجمنستانِ ہستی کو منور فرمایا اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ پکار اٹھا ؎

بہر رنگی کہ خواہی جامہ مے پوش   من اندازِ قدت را مے شناسم

حق

یہ آنحضور ہی کے فیضان کا ادنیٰ سا کرشمہ ہے کہ مجھ ایسا ذرہ بے مقدار۔ آفتاب و مہتاب کے لیے سرمایہ رشک بنا اور محبت کی مے دیرینہ سال نے مجھے بھی بے خودی اور حیرت کے جام پر جام پلا کر بادہ گسارانِ بزمِ حقیقت میں شامل کر لیا۔

اور یہ بھی فرمایا:

عاشق کی معراجِ حیات اس کا منتہائے مقصود اور اس کی سعادتِ عظمیٰ یہی ہے کہ وہ اپنے محبوب کی ہر ادا پر مٹ جائے اور اس کے نقشِ کفِ پا پر سجدہ ہائے نیاز لٹائے۔ اس کے تبسمِ زیرِ لبی پر ہزار جانیں بھی ہوں تو فدا کر دے۔ اس کے غمزہ جاں نواز پر لوٹ لوٹ جائے اُسکے عشوہ دلفریب پر پروانہ وار نثار ہو کر گوہرِ مقصودِ حقیقی پالے۔

یوں سمجھیے:

کہ وجود ایک سمندر کی مثال رکھتا ہے جو ہمیشہ موجزن رہتا ہے اہلِ جہاں میں سے کسی نے بھی اس سمندر سے موج کے سوا کچھ نہیں دیکھا مگر دیکھنے والے دیکھ ہی لیتے ہیں کہ اس کے باطن سے ایک موج اُٹھی اور تمام سطح سمندر اس میں چھپ گئی۔ انسان کی زندگی کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنی ہستی کو اس ہستیٔ لاثانی میں ختم کر دے اور یہی عین حقیقت ہے۔

اب میں کیسے کہہ سکوں کہ کسی کی مست نگاہ نے مجھے وہ سرمستیٔ ازل عطا کی ہے کہ میں حیرت کی تجلیوں میں کھو کر رہ گیا ؎

تیرے خیالِ زلف نے سب سے ہمیں چھڑا دیا
گرچہ پھنسے اِس دم میں۔ دل کو مگر فراغ ہے (خواجہ میر دردؒ)

محبت جب اپنی آخری منازل کی طرف رجوع پذیر ہوتی ہے تو جنوں یا جذب کا درجہ اختیار کر لیتی ہے اس وقت فراق و وصل کا امتیاز اُٹھ جاتا ہے۔ چشموں سے واسطہ تک نہیں رہتا لبِ بام کسی کو جلوہ افروز دیکھنے کا خیال پیدا ہی نہیں ہوتا اس وقت معشوق کا وجود عاشق کے وجود میں ضم ہو جاتا ہے اور معشوق کی روح عاشق کے جسم میں حلول کر آتی ہے حالانکہ ؎

عروسِ فطرت ہے چھپ کے بیٹھی ہزار پردوں میں منہ چھپا کر
ہر ایک سینہ میں آرزوئے وصال کی اِک خلش بسا کر

...

حق

مگر عشاق کی اور صرف عشاق کی نگاہِ پردہ دران حجابات کے پردوں کو اُٹھا کے چھوڑتی ہے۔ انسان جس سے محبت کرتا ہے اسی کی باتیں اسی کا ذکر کرتا ہے۔ " من احب شیئاً اکثر ذکرہٗ "

فحبك راحتي في كل حين

وذكرك مونسي في كل حال

عشق آں شعلہ ست کو چوں برفروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

مسئلہ توحید

آپؒ نے فرمایا کہ کلمہ طیبہ کے لفظی یا لغوی معنی یہ ہیں کہ اللہ جل شانہٗ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسُول ہیں۔

فرمایا لا الٰہ الا اللہ دو ٹکڑوں پر مشتمل ہے۔ ایک حصّہ تو ہے لا الٰہ اور دوسرا حصّہ الا اللہ۔ عربی میں لا بمعنی "نہیں" کے استعمال ہوتا ہے اور باقی معنی صاف ہی ہیں اور زور دے کر فرمایا کہ لا الٰہ کے لفظی معنی تو یہ ہوتے کہ نہیں ہے اللہ یعنی کلمہ شریف کا یہ ٹکڑا اللہ کا انکار کر رہا ہے اور الا اللہ اللہ کا ہونا بتا رہا ہے۔

پھر فرمایا کہ کلمہ ہی کے الفاظ ہیں کہ ایک ٹکڑا کہتا ہے کہ اللہ نہیں ہے لیکن فوراً دوسرا حصّہ کہہ رہا ہے کہ محمد رسول اللہ یعنی محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اگر ہم اس طرح پڑھیں کہ لا الٰہ اور الا اللہ محمد رسول اللہ تو مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ سمجھو سمجھو کہ نہیں ہے کوئی اللہ لیکن اللہ وہ ہے جس کے رسُول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

نیز انسانی جسم میں سینے کے دونوں حصے جہاں ملتے ہیں اس کے نیچے معدہ ہے۔ معدہ کے منہ کو فمِ معدہ کہتے ہیں اور کوڈی بھی اور اس فمِ معدہ ہی میں نفسِ امارہ ہے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ سینے میں دل بائیں جانب ہوتا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ کا جو ورد ہوتا ہے اس میں " لا " کو کھینچتے وقت فمِ معدہ کے پاس سے ہی اٹھایا جاتا ہے اور الٰہ پر گردن سیدھی کر لیتے ہیں اور پھر ضربِ الا اللہ دِل پر لگائی جاتی ہے۔ جس کو ذکرِ نفی اثبات کہتے ہیں۔

لا الٰہ الا اللہ کے ذکر میں لا الٰہ کو جو کھینچتے ہیں تو جو غیر اللہ کے ہونے کا خیال پیدا ہوتا ہے وہ اسی سانس کے ساتھ باہر چلا جاتا ہے اور نئی تازہ سانس جو باہر سے اندر لے جاتی ہے

حق

الا اللہ کی ضرب دل پر لگاتی ہے یعنی اللہ کے ہونے کا یقین پیدا کرتی ہے۔ اور دل کا یقین ہی سب سے بڑی چیز ہے۔ اور اہل سلسلہ وارثیہ کی بڑی عبادت یہی ہے کہ وہ ہر وقت خیال رکھیں کہ باہر جانے والی سانس سے لا الٰہ اور اندر آنے والی سانس سے الا اللہ کے انوار پیدا ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ یہ تو بتاؤ کہ تمہیں حضرت محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ لگاؤ ہے یا اللہ تعالیٰ سے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تو ازل سے ہی ہمارے ساتھ موجود ہے لیکن ہم اسے نہیں پہچانتے تھے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل ہی سے ہم نے اللہ کو پہچانا۔ اس لیے مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبت ہے۔

پھر یوں ارشاد فرمایا،

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ فی انفسکم افلا تبصرون اور یہ بھی فرمان ہے کہ "یسبح للہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض" اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ہمارے اندر کی سانس بھی اسی کے ذکرِ پاک میں خود بخود مشغول ہے صرف بصارت و احساس کی ضرورت ہے۔ جو اس ذکر کلمہ طیبہ کے نفی اثبات کے بغیر پیدا ہونا بہت مشکل ہے۔

آپ نے ایک دفعہ مولوی خدا بخش صاحب شائق وارثی علیہ الرحمۃ کی ایک غزل جو خاص صنعت بے نقط سے مزین ہے سنائی اور فرمایا کہ حضور مولوی صاحب، وارث پاک اعلیٰ مقامہٗ کے مقبول مداحین سے تھے یہاں یہ غزل بطور تبرک پیش کی جاتی ہے:

آہ دل درد لا دوا دارد
در رہ مرگ صد دعا دارد

وا رسد در حرم گہ دلدار
ہر کہ او طالع رسا دارد

گرد مسدود راہِ حور و ملک
دود آہم سہ سہا دارد

حق

داد دلدار درد گر ما را
او ہمہ درد را دوا دارد
او کہ صدہا مراہم آوردہ
گر ہلاک آورد روا دارد

ایک دفعہ اجمیر شریف سے خواجہؒ خواجگانؒ کے سجادہ نشینوں میں سے ایک صاحب کراچی میں اپنے عزیز و اقارب سے ملنے کے لیے تشریف لائے۔ وہ آپؒ کے پاس بھی ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ آپؒ نے اُن کے لیے ضیافت کا خاص اہتمام کیا۔ راقم الحروف فقیر سے روزانہ حسبِ معمول شام کو آپؒ کے پاس نیاز حاصل کرنے کے لیے حاضری دیتا تھا۔ فرمانے لگے کہ اجمیر شریف سے ایک بزرگ تشریف لائے ہوئے ہیں کل اُن کی ہمارے ہاں ضیافت ہے۔ آپ کل ناغہ نہ کریں ذرا جلدی آجائیں۔ میں جب دوسرے دن خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوا۔ تو آپؒ نے اُن کے خاص اہتمام کے لیے کئی قسم کا کھانا تیار کروایا۔ میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپؒ سجادگان کا بہت زیادہ احترام و ادب فرمایا کرتے تھے۔ آپؒ ان کا ادب اس طرح سے کیا کرتے تھے جیسے کسی شہنشاہ کا ادب کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد آپؒ نے اپنے کلام میں سے ایک نعت شریف پڑھی جو بطور تبرک پیش کی جاتی ہے۔ آپ بھی محظوظ ہوں اور روحانی مسرتیں حاصل کریں۔

نعت شریف

بحمداللہ کہ عالم میں وہ نور العالمیں آئے
ضیائے مرسلیں آئے بنائے صادقیں آئے
فروغِ نورِ حق محبوبِ ربّ العالمیں آئے
وہ نورِ اوّلیں کا آخری نورِ مبیں آئے
شہِ اُمی لقب بن کے رسولِ خاتمین آئے
وہ علّمناہ من الّدنّا کے عین الیقیں آئے
جہانِ رنگ و بُو کی جان رُوح العالمیں آئے
قیامت کی چمک لے کر جمالِ اجملیں آئے

حق

منور ہیں زمین و آسماں جب عشق حضرت سے
بنی آدم تو کیا وہ تو شفیع العالمیں آئے
جہاں عشق الٰہی درد امت بن کے آیا ہو
وہ احسانات حق لے کر کریم الاکریں آئے
جہانِ علم و حکمت پہلے ہی بخشا زمانے کو
تو اپنے ساتھ لے کر وہ یہاں کیا کیا نہیں آئے
ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ سب انہیں کے ہیں
ازل کے روز ہی سے وہ ضیائے عارفیں آئے
علیؓ و فاطمہؓ حسنینؓ کی تطہیر کا صدقہ
عطا ہوتا ہے سب کو جو بھی دل سے بالیقیں آئے
وہ سب روشن ضمیری ہیں ہوئے یکتائے دو عالم
بلندی عرشِ اعلیٰ کی وہ لے کر بر زمیں آئے
اُنہیں کے اولیاء غوث و قطب ابدال ہو آئے
محل فقر و فخری قصر ربّی کے مکیں آئے
جسے دیکھا محبّت بخش دی تقدیر چمکا دی
وہ لے کر روئے زیبا جلوہ عرشِ بریں آئے
برہنہ پائی، بے آلودگی نزہت یا بے نفسی
میرے وارثؒ کے جلووں میں وہ خیر الوارثیں آئے
نگاہِ پُر ضیا میں رنگِ اصفر جب ہُوا مقبول
کریں عمصرہ باندھے وہ شیخ الاصفریں آئے
صحابی و محدث حضرتِ ابنِ عمرؓ خطاب
بیاں کرتے کہ رنگِ زرد پہنے شاہِ دیں آئے
مَیں اُن کے سوزِ فرقت میں ازل سے سوختہ آیا

حق

میری تسکینِ روحی کو حیات العالمیں آئے

میرا دل آپؐ کے زیرِ قدم پامال ہو جائے

کہ ہو کے دائمی مسرور پھر قلبِ حزیں آئے

ہماری بے بسی و ناقص غلامی بھی رہے مقبول

فقیروں کی مدد کو آپؐ ہی تو بالیقیں آئے

تصدق آپؐ کے جملہ خلائق کی محبت ہو

مَیں دیکھوں آپؐ ہی کو سامنے جو بھی حسیں آئے

مری حیرت محبّت ہو محبت آپکی حیرت

یہی آئینہ داری آخرش روز یقیں آئے

اس کے بعد فرمایا کہ موقع اچھا گٹھ گیا ہے۔ سماع شریف سے بھی لُطف انداز ہو جائیں اِتنے میں ایک قوال پارٹی بھی آگئی اور آتے کے ساتھ ہی سماع شروع ہوگیا۔ انہوں نے حضرت سید میراں شاہ بھیک علیہ الرحمۃ کا کلام شریف پڑھنا شروع کیا اور بہت اچّھا سماں باندھا۔ محفل کیفیت و وجدان کی حالت طاری ہوگئی۔

کلام حضرت سید میراں شاہ بھیکؒ

مَیں تورے بلہار پربھو جی — میں تورے بلہار پربھو جی

تم ٹھاکر ہم داسی توری — تجھ کرپا بن گھت نہیں موری

بڑھو مہا کرتار پربھو جی — میں تورے ...

تو ہی صاحب دھرت آکاشا — تیرو ہر رنگت میں باسا

تیرو نام ادھار پربھو جی — میں تورے ...

پرتھم پریم اگن جو لاگی — اگھم کہانی پرگھٹ جاگی

احمؐد لیو اتار پربھو جی — میں تورے ...

تین لوک کی پوجا کینی — دیا دھرم کی سوبھا لینی

لولاک سردار پربھو جی — میں تورے ...

جو کوئی ایسا آپ پرکھے مہا مورت کا میلہ دیکھے

بخشت سدا نہیں ہار پربھو جی

میں تورے ..

جن لوگوں نے ست گور مانا ہر مندر کینا اشنانا

دینو سب دُکھ ٹار پربھو جی

میں تورے ..

آپ مرے گرُ مارگ پاوے تس دن پانچوں جیت مناوے

لاگے مالی کے دوار پربھو جی

میں تورے ..

مالی بھیکؔ کو اپنا مانو ہرے اوگن گُن کر جانو

تب ہو نیا پار پربھو جی

میں تورے بلہار پربھو جی

"افضل الفوائد" میں حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، جب حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے باہر آئے اور آہ وزاری کرتے رہے جب چالیس دنوں کے بعد آغازِ صبح میں آنکھ کھولی تو ان کی نظر جمالِ عشق پر پڑی آخر اُسی شعلہ نے اثر کیا کیونکہ دنیا کے خرابہ و ویرانہ کے سوا بہشت کے محلوں میں اس کا نکرار نہیں ہو سکتا تاکہ اشد البلاء فی الاولیا واشد فی الانبیاء کے تختہ کو درست کرے۔ حضرت نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ بیشک عاشقوں نے دوست سے آرزو کر کے بلا کو ہزار منت وزاری سے طلب کیا ہے تب وصلانِ حق سے ہوئے ہیں۔ انہ المحبت فی المحبین

بعد ازاں آپؒ نے فرمایا کہ وہ شخص جس نے جہان میں سب سے پہلے عشق کیا اور بلائے عشق کو قبول کیا وہ آدم صفی اللہ تھے کیونکہ آدم علیہ السلام کو بہشت کی خاک سے پیدا کیا اگر آدم علیہ السلام کی خاک میں عشق کی سرشت نہ ہوتی تو اہلِ سلوک میں عشق مرکب نہ ہوتا۔ چونکہ عشق کی ابتدا آدم علیہ السلام نے کی اُن کے فرزندوں میں بھی عشق پایا گیا۔ اس وقت فرمایا کہ اولیاء اللہ میں اشتیاق و شوق کا جو ولولہ پایا جاتا ہے یہ بھی آدم صفی اللہ سے ہے اس حرف پر پہنچتے ہی آپؒ آبدیدہ ہوتے اور یہ رباعی زبانِ مبارک سے فرمائی،

از بہرِ رخ تو مبتلا می باشم ودر غمِ عشق تو بلا میباشم

دریادِ جمالِ تو چناں مدہوشم کز خود خبرے نیست کجا میباشم

حق

وصالِ شریف

اے تماشہ گاہِ عالم رُوئے تو — تو کجا بہر تماشہ می روی
سروِ سیمینا بصحرا می روی — نیک بد عہدی کہ بے ما می روی
دیدہ و دل سعدیؔ ہمراہ تست
تا نہ پنداری کہ تنہا می روی

۱۰۔ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو آپؒ کا ایک خط راقم الحروف کے نام آیا جو کہ آپؒ نے ڈھاکہ (سا مشرقی پاکستان) سے تحریر فرمایا کہ ہم رات ۹ بجے بذریعہ ہوائی جہاز ۱۱۔اکتوبر کو کراچی پہنچ رہے ہیں میں نے سوچا کہ شب کو ۸ بجے ہوائی اڈہ پر پہنچ جاؤں گا۔ اور آپؒ کا استقبال کروں گا مگر مجھ ہوئی کہ آپؒ مقررہ پروگرام سے پہلے تشریف لے آئے۔ ۱۱۔ اکتوبر صبح ارشاد میاں (آپؒ صاحبزادے) میرے پاس دفتر تشریف لائے اور کہا کہ میاں صاحبؒ رات ہی ڈھاکہ سے تش لے آئے ہیں اور آپؒ کی طبیعت قدرے خراب ہے۔ میں اُسی وقت دفتر سے رخصت آپؒ کے پاس لی مارکیٹ آیا۔ میں نے سلام عرض کیا۔ آپؒ نے سلام کا جواب دینے کے سے بغل گیر ہوئے اور میرے ماتھے کو بوسہ دیا اور فرمایا "تیری دُور بلائیں" خوش رہو۔ پھر رات ہوائی جہاز میں زیادہ مرچ مسالہ والا کھانا کھایا تھا کہ پیشاب نہ آنے کی تکلیف ہوگئی کی کمزوری کی شکایات اکثر رہتی تھیں۔ اب یہ شکایت زیادہ ہوئی اور پیشاب بند ہوگیا۔ (سُرخ مرچیں عرصہ سے ترک کر رکھی تھیں) پیشاب بند ہونے کی وجہ سے تکلیف زیادہ بڑھ گئی تھی اور عجیب پریشانی تھی۔ بہت سے ڈاکٹروں کا ہومیوپیتھک علاج کرایا اور ...

کرایا مگر پیشاب تھوڑا سا کھل کر آتا پھر بند ہو جاتا، یہی کیفیت چند روز تک رہی۔ مگر کوئی خاص افاقہ نہ ہُوا بلکہ مرض اور زیادہ بڑھتا گیا۔ راقم الحروف ہر روز آپؒ کے پاس جاتا رہا۔ ۱۴۔ اکتوبر کو لاہور سے میرے ایک برادرِ طریقت مدظلہٗ العالی کا ایک تار میرے پاس آیا کہ دیوی شریف (ضلع بارہ بنکی) سرکار وارث پاک علیہ الرحمۃ کے قافلہ جانا ہے اور آپ اس قافلہ زائرین میں شرکت فرمائیں۔ مَیں نے وہ تار میاں صاحبؒ کو دِکھلایا اور عندیہ دریافت کیا۔ آپؒ فرمانے لگے کہ ہم اور تم دونوں اکٹھے چلیں گے۔ سہرا شریف تیار ہے اور ایک دن ملتان قیام رہے گا۔ آپ بھی تیاری کرو ہم بھی تیاری کر رہے ہیں۔ ۱۷۔ اکتوبر کی صُبح کو خدمتِ بابرکت میں حاضر ہُوا کہ اگر مرض میں افاقہ ہے تو پھر چلنے کی تیاری فرمائیں۔ آپؒ میری طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہے اور پھر فرمایا کہ تم چلو، ہم بھی آرہے ہیں۔ اجازت ملتے ہی میں کراچی سے عوامی ایکسپریس کے ذریعہ لاہور پہنچ گیا۔ اور ۱۸۔ اکتوبر کو گوجرانوالہ (موضع اروپ شریف) پہنچا تو برادرم میاں عطاء الٰہی ساگر کا تار آیا کہ میاں حیرت شاہ وارثیؒ کا وصال شریف آپ کے جانے کے ۳ گھنٹے بعد ہو گیا یعنی ۲ بجکر ۵۰ منٹ پر

انا للہ و انا الیہ راجعون ط

آپؒ کی تاریخ وصال ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۶۳ء مطابق ۲۸۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۳ھ بروز جمعرات ہے۔ مزار شریف قبرستان پاپوش نگر کراچی میں تعمیر کیا گیا۔ حضور میاں قبلہ بیدم شاہ وارثی علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے ڈاکٹر میاں بیدار وارثی مدظلہٗ نے تاریخ وصال تحریر فرما کر راقم الحروف کے نام بذریعہ خط بھجوائی جو درج ذیل ہے۔

تاریخ وصال

حق وارث

مرقد شرافت پناہ
۱۳۸۲ھ

حیرت سخنداں — ۱۳۸۳ھ

مبشر غیب راہئ ملکِ بقا — ۱۳۸۳ھ

مرد مسلک تسلیم عارف زماں — ۱۳۸۳ھ

محبت بارگاہ الحاج حیرت شاہ وارثیؒ

گوہر بحر ولایت مرشد دلِ حق جو — ۱۳۸۳ھ

مونس اولیا حیرت جلوہ حق راہئ ملک بقا — ۱۳۸۳ھ

انا للہ و انا الیہ راجعون

تاریخ وصال شریف: ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۶۳ء مطابق ۲۸۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۳ھ ہجری

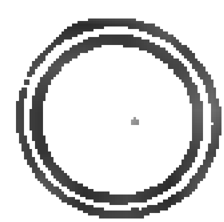
حق

قطعہ تاریخِ وصال

میاں الحاج حیرت شاہ وارثی (جالندھری)

شاہِ حیرتؒ نورِ بزمِ عارفاں
مرشدِ کامل امیرِ کارواں

بر وصالش گفت آصف صابری
"ماہِ برجِ وارثیہ شد نہاں"
۱۳۸۳ھ



از : آصف صابری مدظلہ العالی

کلام پر تبصرہ

آپؒ نے اپنی زندگی میں دو دیوان شائع کروائے جن کے نام "عکسِ حیرت" اور "نقشِ حیرت" ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک رسالہ "سب رنگ" اور "الوارث" جاری فرمایا تھا۔ "سب رنگ" تقسیم ہند کے بعد ہی بند ہو گیا مگر "الوارث" بفضلِ وارثِ پاک جاری ہے اور باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے جس کو اب آپؒ کے صاحبزادے چلا رہے ہیں۔

آپؒ کے کلام کے بارے میں حضرت سید مولانا افقر موہانی الوارثیؒ مالک و مدیر "جامِ جہاں نما" لکھنؤ تحریر فرماتے ہیں:

"کلامِ حیرت، حیرت نمائے دیدۂ دل ہُوا، بلکہ آپؒ کا کلام ہر دلِ بیدار و دیدۂ بینا کے لیے معرفت کا پیغام ہے۔ معرفت بھی وہ جو رُوح کو منجلّی اور قلب کو آئینہ بنا دے۔"

قطعۂ تاریخ طبع نقشِ حیرت

ہر لفظ اشارتِ تمنا — ہر شعر عبارتِ محبت
تخیل بلند، چست بندش — تنظیم درست و خوبصورت
عرفاں کی تجلیاں ہیں اس میں — ایماں رہے نہ کیوں سلامت
ہر رنگ ہے صورتِ مجازی — ہر جلوہ ہے معنیٔ حقیقت

تاریخ ہے طبع کی یہ افقرؔ
"طوفانِ سخن ہے نقشِ حیرت"

حضرت سید افقر موہانی الوارثیؒ

حق

جناب مولوی آغا عبدالمجید صاحب امجد وارثی پکور تھوی آپ کے کلام پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :

"حضرت حیرت شاہ وارثی خود تو حیرت بیں ہیں مگر اُن کا کلام حیرت و استعجاب کو دُور کر کے ایک گونہ مسرت و انبساط بخشتا ہے۔ کیا اربابِ ذوقِ سلیم اور کیا عامۃ الناس جب اِسے سنتے ہیں تو اس میں ایک عالمگیر محبت کا ولولہ پاتے ہیں، کیونکہ آپ کو فیضانِ فقر و تلمذ حضرت سراج الشعراء لسان الطریقت حضرت بیدم شاہ وارثی علیہ الرحمۃ سے حاصل ہے جن کا رنگِ تغزل آپ کے کلام میں ایک نمایاں جھلک رکھتا ہے جو فہم و ذکا حیرت شاہ صاحبؒ کو عطا ہُوا ہے۔ اس میں محبت کا عنصر بکثرت معلوم ہوتا ہے کیوں نہ ہو کہ جس مرشدِ دوراں یعنی حضرت سیّد وارث عالم پناہ نور اللہ مرقدہٗ سے فیضانِ روحی کا حصُول ہے۔ ان کی ذاتِ ستودہ صفات سپہرِ ولایت پر بطنِ مادر میں ہی آفتابِ نصف النہار بن کر چمک رہی تھی اور عالمِ وجود میں پرتو فگن ہو کر مشرق سے مغرب تک درخشاں رہی اور تا قیامت رہے گی"

مخمسِ نعتیہ

مری جانِ پُر غم فدائے محمدؐ
مری آنکھ محوِ لقائے محمدؐ
زمیں آسماں ہیں برائے محمدؐ
جو عرشِ معلےٰ ہے جائے محمدؐ
مرا دل بھی ہے خاکِ پائے محمدؐ

عجب شانِ قدرت عجب ہیں کرشمے
کوئی ان کو دیکھے تو کس طرح دیکھے
ہوئے جمع یکجا تھے دو نُور ایسے
نظر آئے اُن میں جو اپنے ہی جلوے
تو خالق کو بھائی ادائے محمدؐ

حق

دلِ بے نوا ہے جہانِ محبت
ہے محبوب بھی کون؟ فخرِ رسالت
الٰہی بس اتنی رہے مجھ پہ رحمت
وہ روئے منور ہو اور میری حیرت
رہوں تا قیامت فدائے محمدؐ

مابین جدّہ و مکہ مکرمہ

وہ ریت کے ٹیلے چمکیلے ایمان کے روشن جلوے ہیں
وہ ڈھیر ہیں جنس ایماں کے جو اونچے اونچے تودے ہیں

ان خشک پہاڑوں کے آگے سب دریا پانی بھرتے ہیں
پژمردہ دلوں کی کھیتی کو سرسبز وہ پتھر کرتے ہیں

واں لا الہ الا اللہ ہر ذرہ ذرہ کہتا ہے
خورشید بھی سچی الفت سے آغوش میں ان کو لیتا ہے

وہ ارضِ مقدس ملکِ عرب در عین حقیقت جلوۂ رب
قربان ہیں اس پہ ساتوں فلک وہ فرشِ زمیں پر عرش لقب

واں دونوں جہاں کی رحمت والے آخری جلوے پنہاں ہیں
اس بنجر ویراں خطے پر سب باغ جہاں کے قرباں ہیں

وہ آنکھ کہاں وہ قلب کہاں حیرت کی زباں سے کیا ہو بیاں
بس دیکھ لو جا کے کیا ہے وہاں اک ذرہ ہے جلوے ہیں عیاں

صلی اللہ علیہ وسلم

جلوۂ حق ہے روئے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم
عرشِ معلیٰ کوئے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم

حق

کعبۂ دِل ہے کوئے مُحمّد صلی اللہ علیہ وسلم
قبلۂ ایماں سوئے مُحمّد صلی اللہ علیہ وسلم

خُلقِ معظّم خوئے مُحمّد صلی اللہ علیہ وسلم
عطرِ معنبر بوئے مُحمّد صلی اللہ علیہ وسلم

دیکھو تو آکر ملتا ہے کیا کیا دُنیا و عقبےٰ والی و مولا
کچھ تو بڑھو تم سوئے مُحمّد صلی اللہ علیہ وسلم

وارثِ حیرت والیٔ حیرت مرشد حیرت ہادیٔ حیرت
حیرت حیرت روئے مُحمّد صلی اللہ علیہ وسلم

مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ

علی المرتضیٰؓ مشکلکشائے دو جہاں ٹھہرے
وہ شاہِ لافتیٰ خلوت نشینِ لامکاں ٹھہرے

وہ بابِ علم وزورِ دست و بازوئے مُحمّدؐ تھے
وہ شاہِ ذوالفقار و پیشوائے اِنس و جاں ٹھہرے

اخوّت کے ولایت کے امامت کے خلافت کے
حقیقت میں اگر دیکھا تو وہ روحِ رواں ٹھہرے

شجاعت کے سخاوت کے مروّت کے محبّت کے
وہ دم ٹھہرے وہ خم ٹھہرے وہ دل ٹھہرے وہ جاں ٹھہرے

وہ سب کی سنتے آئے ہیں وہ سب کی سنتے جائیں گے
ازل کے روز ہی سے وہ انیسِ بے کساں ٹھہرے

کچھ اپنے پیارے فرزندوں کے صدقے میں عطا کیجے
ازل سے ہم گدا ہیں آپ شاہِ دو جہاں ٹھہرے

ہماری بے کسی کی لاج بھی اب آپ ہی کو ہے

مسیحا ہیں ہمارے آپؒ اور ہم ناتواں ٹھہرے
تیرے حیرتؔ کو جب کوئی ٹھکانا مل نہیں سکتا
کہاں جائے کہاں آئے کہاں بیٹھے کہاں ٹھہرے

بلبلِ بستانِ وارثؒ میاں بیدم وارثی رح

میرے آقا میرے مرشد بیدمؒ عالی جناب
درحقیقت آسمانِ وارثی کے آفتاب

رازہائے کُن فکاں تھے آپؒ پر روشن تمام
جلوۂ حق آپ کی حق بیں نظر میں بے نقاب

کھولتا تھا باتوں باتوں ہی میں اسرار و رموز
آپؒ کا طرزِ تکلّم آپؒ کا طرزِ خطاب

دم زدن میں ہائے وہ محفل کی محفل لُٹ گئی
آسماں تاریک ہے جب ہو نہ روشن آفتاب

وارثِ مشکل کشاؒ کے لاڈلے بہرِ رسولؐ
اپنے حیرتؔ پر نظر ہو پھر وہی حیرت مآب

شانِ وارثؒ

وارثؒ پہ ہوئے جاتے ہیں قربان ہزاروں
اور زندہ ہوئے جاتے ہیں بے جان ہزاروں

سجدے جو وہاں کرتے ہیں انسان ہزاروں
گمراہ وہاں پاتے ہیں ایمان ہزاروں

اے شمعِ ازل آپ کے انوار پہ مٹ کر
پروانے وہاں چڑھتے ہیں پروان ہزاروں

کھو بیٹھے وہاں عقل و خرد سینکڑوں دانا
اور پا گئے سب کچھ وہاں نادان ہزاروں

حیرتؔ ہی اکیلا نہیں کچھ آپؒ کا حیران
حیرت سے وہاں پھرتے ہیں حیران ہزاروں

سرکارِ خواجۂ خواجگان حضور سرکار غریب نواز رح

انوارِ حق عیاں ہیں خواجہؒ کے آستاں سے
اس بے نشاں کو پایا مَیں نے اِسی نشاں سے

روشن ہے کل زمانہ جس حسنِ ضوفشاں سے
حُسنِ معینِ دیں ہے چمکا جو لامکاں سے

خواجہ کی برکتوں سے خواجہ کی رحمتوں سے
اجمیر کی وہ گلیاں ملتی ہیں آسماں سے

جود و عطا و بخشش فیضان کے کرم کے
چشمے اُبل رہے ہیں خواجہؒ کے آستاں سے

بے بس ہوں ناتواں ہوں بربادِ دوجہاں ہوں
آخر کہاں میں جاؤں اب تیرے آستاں سے

محتاج و بے نوا کی اب لاج ہے تجھی کو
سب کچھ اٹھوں گا لیکر تیرے ہی آستاں سے

تیری تجلیوں میں گم ہو چکا ہے حیرتؔ
پائے نشان اپنا حیرت زدہ کہاں سے

حق

بہارِ تغزّل

نکلے جو دم کسی کا تیرے انتظار میں
کیا خاک چین پائے وہ کنجِ مزار میں

او مستِ ناز اُف تیری محشر خرامیاں
اک حشر سا بپا ہے دلِ بے قرار میں

کہنا نہ پھر کہیں ہمیں بدنام کر دیا
دیکھو کہ دل نہیں ہے مرے اختیار میں

اب کیا کہیں کہ کیسے بلا آستانِ یار
سجدے قدم قدم پہ کیے راہگذار میں

اس عندلیبِ سوختہ ساماں کی کچھ نہ پوچھ
جس کا اُجڑ گیا ہو نشیمن بہار میں

اس برق وش کے حُسن کی اللہ رے تپش
اِک آگ سی لگی ہے دلِ داغدار میں

قسمت کی نارسائیاں بعدِ فنا رہیں
مر کے بھی دفن ہو نہ سکا کوئے یار میں

کیا پوچھتے ہو دل کا پتہ دِل کا کیا پتہ
مُدت ہوئی کہ مِل گیا گردِ غبار میں

خورشیدِ حشر اپنی دکھاتا ہے تابشیں
مَیں سو رہا ہوں گوشۂ دامانِ یار میں

حیرت کہ تجھ کو حیرتِ دیدار ہو نصیب
آ دیکھ لے تو شانِ خدا حسنِ یار میں

جلوہ آرا کون ہے پردہ یہ پردہ پوش ہے
ذرہ ذرہ بزمِ ہستی کا جواب مدہوش ہے

آپ کی تصویر ہر دم دل سے ہم آغوش ہے
یعنی وہ بے ہوش ہوں قربان جس پر ہوش ہے

رحمتوں والے سے شکر ہے گنہگاروں کی آج
ہم ادھر خاموش ہیں اور وہ ادھر پر جوش ہے

بے خبر ہونے پہ بھی ہے سارے عالم کی خبر
ایسی بے ہوشی میں مستانوں کو ایسا ہوش ہے

حق

هم بلانوشوں کی ہمت کو تو اے ساقی نہ پوچھ
دونوں عالم سر پہ رکھ لے جائیں اتنا جوش ہے

تہ کو اِن گہرائیوں کی پا لے کیا غوّاصِ عقل
رودبارِ عشق کا ہر قطرہ قلزم نوش ہے

جانیوالے پھر انہیں مستی بھری آنکھوں سے دیکھ
لوگ کہتے ہیں ترے بیمار کو پھر ہوش ہے

اللہ اللہ اِک زمانہ ہے خرابِ آرزو
اس نگاہِ مست پر صدقے متاعِ ہوش ہے

واہ کیا حیرت فضا منظر ہے دِل کی بزم کا
جلوہ حیراں سے اب حیرت جو ہم آغوش ہے

حُسن والوں میں بھی اب تو ہو رہے ہیں تذکرے
سن رہے ہیں آج کل حیرت کفن بر دوش ہے

دِل میں جو رہتے تھے اُمید کی دنیا ہوکر
وہ چلے جاتے ہیں کیوں داغِ تمنّا ہوکر

میرا گھر گھر نہیں تم بن یہ سیہ خانہ ہے
اب سیہ خانے میں آجاؤ اُجالا ہوکر

خود بتا دیجئے یہ دن کس کے سہارے پہ کٹیں
آپ جب چھوڑ گئے دِل کا سہارا ہوکر

کشتیٔ عمر مری غم کے ہے طوفاں میں گھری
کھینچ لو اب اسے دریا کا کنارا ہوکر

ہوش اڑے جاتے ہیں فرقت میں بہ رنگِ حیرت
دِل کو آئینہ بنا برقِ تجلاؔ[1] ہوکر

شامِ زندگی

پاؤں نہ دُور دُور بھی اپنی خبر کو ہیں
پھر ڈھونڈتا ہوں آپ کی پہلی نظر کو میں

اِک اِک نگہ میں سینکڑوں تیروں کے وار ہیں
رکھوں کہاں سنبھال کے قلب و جگر کو میں

---

[1] تجلّی (رعایتِ شعری)

ایسے گئے کہ زندگی کی شام ہو گئی   لاؤں کہاں سے ڈھونڈ کے گزری سحر کو مَیں
مدت میں جلوہ گر ہوئے بالائے بام وہ   اس چاند کو میں دیکھوں کہ دیکھوں قمر کو مَیں
حیرتؔ نگاہِ یار نے کیا جانے کیا کیا
حیراں ہوں اب کہاں رہوں جاؤں کدھر کو میں

رازِ حیات

تیرے درد کی کہانی مرا رازِ زندگانی   ترے حُسن کا فسانہ ہے مرا غمِ نہانی
مرا راز ہے اگر تُو، تو میں ہوں تیری نشانی   نہ تری حیات فانی نہ مری حیات فانی
کروں دید کی طلب کیوں سنوں کیوں میں لن ترانی   ہے ابھی مری نظر میں وہ ادائے من رآنی
مَیں تجھے ازل میں کھو کر رہا عمر بھر تڑپتا   اسی جستجو میں آخر بجھی شمعِ زندگانی
مری تیرہ بختیوں کی نہ مٹی کبھی سیاہی   رہی عمر بھر فروزاں میری شمعِ زندگانی
وہی بیقراریاں ہیں، وہی اضطراب اس کا
بجز اسکے کیا ہے حیرتؔ دلِ زار کی کہانی

تلاش

بس میں ترے زمیں ہے قبضے میں آسماں ہے
اے دو جہاں کے مالک میرا نشاں کہاں ہے

سینے میں بن کے حسرت اِک تیر بے کماں ہے
جب تک رہے یہ دل میں اِنسان نیم جاں ہے

فصلِ بہار میں تو قیدِ قفس میں گزری!
چھوٹے جو اب قفس سے تو موسم خزاں ہے

ہر ذرہ اس کی منزل صحرا ہو یا ہو گلشن
کیوں بے نشاں رہے وہ تیرا جو بے نشاں ہے

حق

لطف و کرم سے اپنے اب اس کو تو اُٹھالے
حیرتؔ زدہ یہ تیرا بربادِ دو جہاں ہے

بہ ہزار غمزہ و ناز آ تو کبھی طرح کی پھبن میں آ
تیرا درد ہے میری زندگی کبھی میرے دل کی جلن میں آ

جو بنا رہا ہوں میں آشیاں اُسے برق بن کے جلا بھی دے
میری کائنات نثار ہو کبھی میرے اُجڑے وطن میں آ

تیری ہر ادا پہ فدا ہوں میں دل و جاں سے وقفِ رضا ہوں میں
مجھے شکلِ عیش میں مل کہیں کہ لباسِ رنج و محن میں آ

وہ لطیف وحدتِ حال ہو نہ فراق ہو نہ وصال ہو
میری رُوح بن کے فلک پہ اُڑ میری جان بنکے بدن میں آ

مجھے مہر و ماہ سے کیا غرض مجھے دھوپ چھاؤں سے واسطہ
کہ ازل سے پہلے جو نور تھا اُسی اپنی پہلی کرن میں آ

تو ہزار خرقہ بدل کے چھُپ تجھے ڈھونڈ لونگا میں جانِ جاں
مجھے شکلِ نو میں تو مل کہیں کہ ادائے طرزِ کہن میں آ

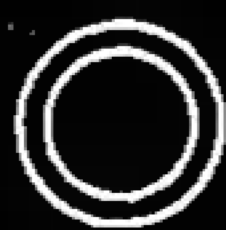
تیری ہر کلی کو ہے آرزو تو گلوں کو ہے تیری جستجو
بہ ہزار جوہرِ رنگ و بُو کبھی کاش تو بھی چمن میں آ

تو جہاں سے ایسا نکل کے جا کہ نہ تجھ کو تیری خبر رہے
تو وطن کو اپنے جو چھوڑ دے نہ خیالِ اہلِ وطن میں آ

میرا دل ہے حسن کا آئینہ کبھی اس میں حیرتِ عشق بن
تیرے صدقے اے میرے گلبدن تو کبھی تو دل کی لگن میں آ

حق

خیر الوارثین



میاں عطاء اللہ ساگر وارثی